ماہنامہ

جلد: ۹۳ | شعبان ۱۴۳۰ھ مطابق اگست ۲۰۰۹ء | شمارہ: ۸

نگراں
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپئے، سالانہ -/۱۵۰ روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۱۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۵۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حبیب الرحمٰن اعظمی

دین اسلام اور اسلامی تعلیمات پر بیجا اعتراضات اور غیر معقول نقد وتبصرہ آج کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس کا سلسلہ بڑا طویل ہے جس کے ڈانڈے صلیبی جنگوں سے ملتے ہیں، مگر ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۲ء کو امریکہ کی ایک مرکزی عمارت پر کچھ نامعلوم افراد کے وحشتناک اور تباہ کن حملہ کے بعد اس گمانِ محض پر کہ یہ حملہ آور اسلام کے نام لیوا تھے۔ امریکہ اور اسلام دشمنی میں اس کی ہم خیال طاقتوں نے ، اسلام، اسلامی تعلیم وثقافت اور پوری ملت اسلامیہ پر بہتان تراشیوں کی غیر متناہی ہمہ گیر مہم چھیڑ رکھی ہے، جس سے شہہ پا کر ملک کی بعض وہ تنظیمیں جو خود امن وسلامتی کی سب سے بڑی دشمن ہیں، جن کے ہاتھ بے گناہوں کے خون سے آلود ہیں، جن کی بے پناہ سفاکیوں نے ارض وطن کے چہرے کو رنگین کر دیا ہے اپنے جذبۂ مسلم آزاری اور ذوق شرانگیزی کی تسکین کے لیے بے محابا اسلام، اسلامی کی مقدس ترین کتاب اور مسلمانوں کے بارے میں بیہودہ زبان درازیاں کر رہی ہیں اور اپنے جہاں سوز افکار ونظریات اور زیر دستوں کے خون میں ڈوبی ہوئی اپنی تاریخ سے دنیا کا رخ پھیرنے کے لیے اسلام اور اس کی تعلیمات کے خلاف محاذ کھول دیا ہے، احترام آدمیت اور انسانی اخوت سے دنیا کو روشناش کرانے والی مقدس کتاب الٰہی کو نفرت و عداوت اور قتل وغارت گری کا معلم بتا کر اس میں ترمیم وتنسیخ کا انتہائی شرمناک مطالبہ کر رہی ہیں، جس کی بناء پر باہمی ہم آہنگی کا شیرازہ منتشر ہو رہا ہے اور ملک میں فرقہ واریت و مذہبی منافرت فروغ پا رہی ہے جو کسی جمہوری اسٹیٹ کے لیے برقِ سوزاں سے کم تباہ کن نہیں ہے؛ مگر یہ شرانگیز عناصر ایس، آئی ایم کے ساختہ پرداختہ نہیں ہیں جنھیں کسی معقول ثبوت کے بغیر دیش وِرودھی بتا کر

پس دیوار زنداں کردیا گیا بلکہ آر، ایس، ایس کے خانہ زاد اور پریوار سے تعلق رکھتے ہیں جن کا کاروبارِحکومت میں خاصا دخل ہے، اس لیے اس جمہوریت سوز وسیکولرزم کش رویے پر سرکاری اہل کار سے لے کر قانون وانصاف کے پہرے دار تک سب ہی مہر بلب ہیں۔

اس انتشار پسند گروہ کی حکومتی سطح پر یہ خاموش ہم نوائی ایک بڑے طوفان کا پتہ دے رہی ہے جسے قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ سے آشنا بخوبی سمجھتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ باہمی انتشار ومنافرت کی کوکھ سے جنم لینے والی اس تباہی سے ملک وقوم کو محفوظ رکھنے کے لیے رہبرانِ قوم اور ہمدردانِ ملک نے اپنے طور پر کوئی نہ کوئی منصوبہ ضرور بنا رکھا ہوگا مگر ان کی جانب سے اس سلسلے میں ابھی تک کوئی سنجیدہ کوشش اور مؤثر اقدام بظاہر نظر نہیں آرہا ہے، جو دردمند اربابِ فکرو نظر کے لیے باعث تشویش ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ملک ووطن کے تحفظ وترقی کے تعلق سے دوسروں کے مقابلے میں ایک مسلمان پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے؛ کیونکہ اپنے ملک کے تحفظ وصیانت اور تعمیر وترقی کا ایک فریضہ تو اس کے وطن ہونے کے ناطے عائد ہوتا ہے۔ وطن سے پیار ومحبت ایک فطری وطبعی امر ہے اور ظاہر ہے کہ آدمی کو جس چیز کے ساتھ محبت اور قلبی تعلق ہوتا ہے ہمہ وقت اس کی فلاح و بہبود کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ ہندوستان چونکہ ہمارا ملک اور وطن ہے لہٰذا اس اٹوٹ رشتہ کی بناء پر اس کی ہمہ جہت تعمیر وترقی کے لیے سعی وکوشش کے فطری طور پر ہم پابند ہیں۔

پھر ہم اگر وطنی لحاظ سے ہندوستانی ہیں تو مذہبی طور پر پابند اسلام اور مسلمان ہیں۔ ہماری ان دونوں حیثیتوں میں کسی قسم کا کوئی تضاد وٹکراؤ نہیں ہے اور ہمارے مذہب کا یہ تاکیدی حکم ہے کہ ملک کی تعمیر وترقی اور دیش باسیوں کے جان ومال وغیرہ کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں امن وامان کی فضا بحال رکھنے میں ادنی درجہ کی بھی غفلت اور سستی نہ برتی جائے۔ نیز ملک کو ہر طرح کے فتنہ وفساد اور دست وبرد سے بچانے کی ممکنہ کوشش کی جائے اور ضرورت پڑنے پر اس راہ میں جان ومال کی قربانی سے بھی دریغ نہ کی جانی چاہیے، ہماری فقہ کی کتابیں ملک وطن کی خدمت وحفاظت وغیرہ کے احکام ومسائل سے بھری ہیں تفصیل کے طالب ان کی مراجعت کرسکتے ہیں۔

لہٰذا دیگر برادرانِ وطن کے مقابلے میں ہم مسلمانوں کی ذمہ داری بڑھی ہوئی ہے کہ ملک و قوم کی فلاح وبہبود کی خاطر فرقہ پرستی اور مذہبی منافرت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے مؤثر کوشش

کریں۔ پھر یہ بھی اطمینان کر لیجیے کہ اس جدوجہد کے لیے طول طویل طریقہ کار مرتب کرنے یا کسی منصوبہ سازی کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ خدائے حکیم وعلیم کا فرستادہ دستور العمل ہی ہمارے لیے کافی ہوگا اور پورے وثوق اور کامل یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ فرقہ پرستی مخالف جنگ میں اگر یہ خدائی دستور العمل ہمارے ہاتھوں میں رہا تو فتح وکامرانی ہمارے قدم چومے گی۔

”وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ“ (سورة فصلت آية: ۳۴)

ترجمہ: اور برابر نہیں نیکی اور نہ بدی جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا دوست دار ہے قرابت والا۔

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے تفسیری فوائد میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

خوب سمجھ لو نیکی، بدی کے، بدی، نیکی کے برابر نہیں ہوسکتیں بلکہ دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے لہٰذا ایک مرد مسلم اور مؤمن قانت کا مسلک ہونا چاہیے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اسکے مقابل وہ طرز عمل اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی ومہربانی سے پیش آئے اس طرز عمل کے نتیجہ میں دیکھ لوگے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا اور گو دل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرم جوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا، ہاں کسی کی طبیعت کی افتاد ہی سانپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوئی و خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے مگر ایسے افراد کم ہیں۔

مندرجہ خدائی دستور العمل کو پڑھیے اور غور وفکر کے لیے بار بار پڑھیے اور اپنے آپ کو اس کا پابند بنا کر وقت ضائع کیے بغیر میدان عمل میں کود پڑیے پھر دیکھیے ملک میں نفرت وعداوت اور انتشار وتفرقہ کی بجائے محبت واخوت اور اتحاد ویگانگت کا راج ہوگا اور فرقہ پرستی اپنی موت آپ مرجائے گی۔ یہی وہ طریقۂ زندگی ہے جس پر کاربند ہوکر ہمارے اسلاف نے دنیا جہان کے زمین وآسمان بدل دیئے تھے اور ایک عالم کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔

ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

تیامُن کی سنت اور معانقہ کا معہود طریقہ

از: مفتی رشید احمد فریدی
مدرسہ مفتاح العلوم تراج، سورت

نحمده و نصلي على رسوله الكريم، امابعد:

اسلامی اخلاق وآداب جسے پیغمبر اعظم نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے انسانوں کی تہذیب وشائستگی کیلئے تفصیل سے بیان کیا اور امت کو اس سے آراستہ ہونے کی ترغیب دی اور اپنی ذات مبارکہ کو عملی نمونہ بنا کر پیش کیا ہے، صالحین نے اپنی حیات مستعار کو اُن اخلاق وآداب سے مزین کیا اور وہ حقوق بجالائے کہ اللہ کے یہاں العبد بلکہ نعم العبد بن گئے۔

اُن ہزاروں آداب میں سے ایک اہم ادب ''تیامُن'' (یعنی کسی کام کو داہنے ہاتھ یا داہنے جانب سے انجام دینا) ہے جس کی رعایت رکھنا شرافت کی علامت اور سعادت کا ذریعہ ہے، رسول مقبول ﷺ نے اس کا بہت اہتمام فرمایا ہے اور اس سے اپنی محبت کا اظہار فرما کر امت کو متوجہ کیا ہے اسی ادب کے متعلق یہ چند سطور نذر قارئین ہیں۔

تیامن پر کلام کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''سنت'' یعنی رسول اللہ ﷺ کے محبوب عمل کے مقام ومرتبہ کے کچھ ذکر سے اپنے دلوں کو تازہ کرلیں اور اس کی قدر ومنزلت سے اپنے سینوں کو روشن کرلیں۔

(۱) عن ابن مسعودؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لكل عمل شِرّةٌ ولِكلّ شرةٍ فترةٌ فمن كانت فترته الى سنتي فقد اهتدىٰ ومن كانت غير ذلك فقد هلك (رواہ ابن حبان)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ہر عمل کیلئے ایک ہمت (وقوت) ہوتی ہے اور ہر ہمت کیلئے ضعف ہوتا ہے پس جس کا ضعف سنت کی طرف ہو (یعنی باوجود ضعف کے سنت پر عمل ترک نہ ہو) تو وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس کی کم ہمتی سنت کی طرف نہ

ہو یعنی بے ہمتی سے سنت ترک کردے تو اس کے لئے ہلاکت (کا خطرہ) ہے۔

(۲) عن الحسن بن ابی الحسن قال صلی اللّٰہ علیه وسلم عمل قلیلٌ فی سُنةٍ خیرٌ من عملٍ کثیر فی بدعةٍ.

حضرت حسنؒ سے مروی ہے پیغمبر ﷺ نے فرمایا سنت کے مطابق تھوڑا عمل بہتر ہے زیادہ عمل سے جو بدعت کے ساتھ ہو۔ (۱۱/۲ الشفاء للقاضی عن المصنّف)

(۳) عن ابی هریرة عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال المتمسك بسنتی عند فساد امتی له مائة اجر شهید. (الشفاء، ص:۱۲/۲ عن مجمع الزوائد)

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ امت کے فساد کے زمانہ میں (یعنی سنت کی ناقدری اور عام بیزاری کی حالت میں) میری سنت پر مضبوطی سے عمل کرنے والے کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

(۴) کتب عمرؓ الی ابی موسٰیؓ لا تشتغلوا بالبناء قد لکم فی بناء فارس والروم کفایة الزموا السنة تبقی لکم الدولة. (فیض القدیر علی جامع الصغیر ۱۵/۵)

امیر المومنین حضرت عمر نے ابوموسیٰ اشعری (یمن کے گورنر) کو لکھا کہ تعمیرات میں اپنے آپ کو مشغول نہ کرو تمہارے لئے فارس و روم کی عمارتوں میں کفایت ہے۔ تم سنت کو لازم پکڑو تمہاری سلطنت باقی رہے گی۔

(۵) قال ابن شهاب بلَغنا عن رجال من اهل العلم قالوا الاعتصام بالسنة نجاةٌ.

ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اہل علم کی طرف سے یہ جملہ پہنچا ہے کہ سنت کا اہتمام کرنا نجات کا ذریعہ ہے۔

مستحبات کی رعایت اور ترک سنت کا انجام

قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ نے اپنی کتاب ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' (اسلامی سیاست) میں بعض اہل علم کا یہ کلام جو بہت سی حدیثوں کا نچوڑ ہے ذکر کیا ہے من تهاون بالاداب عوقب بحرمان السنة ومن تهاون بالسنة عوقب بحرمان الفرائض ومن تهاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة. یعنی جس نے آداب ومستحبات کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا تو اس کی سزا سنت مؤکدہ سے محرومی ہے اور جو شخص سنت مؤکدہ کو

معمولی سمجھ کر چھوڑے گا تو اسے فرائض سے محرومی کی سزا دی جائے گی اور جو شخص فرائض کو بھی معمولی سمجھ کر ترک کرے گا تو (خطرہ ہے کہ) معرفتِ ایمان سے محروم کر دیا جائے۔

دیکھئے آداب ومستحبات کا ترک مؤمن کو رفتہ رفتہ کہاں تک پہنچا دیتا ہے معلوم ہوا کہ ایمان کی حفاظت کیلئے فرائض کا اہتمام اور فرائض پر استقامت کیلئے سنتوں کی پابندی لازم ہے اور سُنن پر دوام کیلئے آداب ومستحبات کی رعایت مطلوب ومقصود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ آئندہ کل (قیامت کے دن) اللہ سے فرمانبردار بندہ بن کر ملاقات کرے تو چاہئے کہ اِن پنج گانہ نماز کی پابندی وہاں کرے جہاں اَذان دی جاتی ہے (یعنی مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کیلئے کچھ سُنن ہُدیٰ مشروع کیے ہیں اور جماعت کے ساتھ نماز یہ بھی سُنن ہُدی میں سے ہے اور اگر تم نے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لی جیسا کہ یہ متخلف (منافق) اپنے گھر میں پڑھ لیتا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت کو ترک کر دو گے اور اگر اپنے نبی کی سنت ترک کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ (الترغیب للمنذری ۱/۲۷۳)

تیامن کی سنت

علامہ عبدالحئ لکھنویؒ اپنی کتاب تحفہ الاخیار باحیار سنۃ سید الابرار کے شروع میں سنت کی شرعی واصطلاحی تعریف میں علماء کے بائیس (۲۲) اقوال (مع نقد) ذکر کر کے اخیر میں لکھتے ہیں... اگر حضور ﷺ کی مواظبت علی سبیل العبادۃ ہے یعنی بحیثیت عبادت کسی عمل پر پابندی فرمائی ہے تو ایسے اعمال سنن ہُدی ہیں اور اگر مواظبت علی سبیل العادۃ ہے یعنی اپنی طبیعت وعادت کے اعتبار سے عمل کیا اور اس پر پابندی فرمائی ہے تو ایسے افعال سُنن زوائد ہیں جیسے لباس کا پہننا، داہنے ہاتھ سے کھانا اور داخل ہونے میں داہنے پیر کو مقدم رکھنا وغیرہ۔ اور حضور ﷺ کی مواظبت تیاُمن پر سنن زوائد میں سے ہے۔ (تحفۃ الاخیار ص: ۸۳)

تیاُمن سے محبت کی حکمت

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کان یعجبه التیمن فی تنعله وترجله وطهوره وفی شانه کله کہ حضور ﷺ نعلین پہننے میں، کنگھا کرنے میں اور طہارت میں اور تمام احوال میں تیمن کو پسند

کرتے تھے۔ابن ابی جمرہ صاحب بہجۃ النفوس محبتِ تیامن کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

.... والحكمة فى حبه فانما ذلك ايثار لما آثره الحكيم بحكمته وذلك لانه صلى اللّٰه عليه وسلم لما رأى ان اللّٰه تعالىٰ فضل اليمين واهلَه وما اثنى عليه فاحب ما آثره العليم الحكيم فيكون من باب التناهى فى تعظيم الشعائر فيكون دالاً على قوة الايمان. انتهى (السعایہ،۱/۱۷۵)

یعنی پیغمبر ﷺ نے دیکھا کہ ربِ کائنات حکیم مطلق نے یمین اور اہل یمین کو فضیلت دی ہے اور اپنے کلام پاک میں ان کی تعریف فرمائی ہے تو آپ ﷺ نے پسند فرمایا اس چیز کو جسے علیم وحکیم نے ترجیح دی ہے۔پس یہ شعائرالٰہی کی غایت تعظیم کے قبیل سے ہے جو قوتِ ایمان کی دلیل ہے۔

چنانچہ قرآن پاک میں ہے فاما من اوتى كتٰبه بيمينه فسوف يحاسب حسابا يسيرا. واصحٰب اليمين وما اصحٰب اليمين فى سِدر مخضود وطلح منضود وظل ممدود وماء مسكوب. واما ان كان من اصحٰب اليمين فسَلٰم لك من اصحٰب اليمين. اس کے علاوہ بھی آیتوں میں یمین کا ذکر اہتمام سے کیا گیا ہے جیسے وما تلك بيمينك يٰموسٰى، اور ولا تخطه بيمينك، تو پیغمبر ﷺ نے بھی اچھے کاموں میں یمین کو ترجیح دی اور تیامن سے اپنی محبت کا اظہار فرمایا بلکہ ازلی دشمن شیطان کی مخالفت میں اختیار یمین کی تاکید فرمائی۔

تیامن کے اختیار کے مواقع

حضرت عائشہؓ کی حدیث كَانَ يُحِبُّ التيمن الخ بخاری، مسلم، ابوداوٗد، ترمذی، نسائی وغیرہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ابن ابی جمرہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت عائشہ کا قول فى شأنه كله مجمل لفظ ہے اگر صرف شأنہ کلہ کہہ کر خاموش ہوجاتیں تو شأنہ سے کیا مراد ہے اس کی تقدیرات مختلف ہوتی،حضرت عائشہؓ نے تین چیزیں ذکر فرما کر اجمال کی تفصیل کردی اور التباس کو دور کردیا اس لئے کہ طہور ذکر کیا جو مفروضات میں سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ طہور شطر ایمان ہے اور ترجیل مستحبات میں سب سے مؤکد ہے اور پھر تنعل ذکر کیا جو مباحات میں سب سے ارفع ہے، تو حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمیع مفروضات، مستحبات اور مباحات میں تیامن کو پسند فرماتے تھے۔(السعایہ ۱/۱۷۵)

ابوداوٗد میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ كانت يد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

اليمنى لطهوره وطعامه واليسرى لخلائه وما كان من اذى.

طبرانی کی روایت ابن عباسؓ سے ہے: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا لبس نعلا بدأ باليمنى واذا خلع خلع اليسرى وكان اذا دخل المسجد ادخل رجله اليمنى.

حضرت حفصہؓ سے روایت ہے ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يجعل يمينه لطعامه وشرابه وثيابه ويجعل يساره لما سوى ذلك. (اذکار للنووی عن ابی داوٗد)

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں ما استطاع **کی قید مذکور ہے** كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب التيمن ما استطاع فى شأنه كله الخ **اس سے معلوم ہوا کہ حضور** ﷺ **تیامن کا اہتمام تب تک فرماتے جب کوئی امر مانع نہ ہو** فنبه على المحافظة على ذلك مالم يمنع مانع (عمدۃ القاری ۳/۳۱)

تیامن کا مفہوم اور اس کی رعایت کی صورتیں

تیمُّن اور تیامُن باب تفعّل وتفاعل سے ہے اس کا ماخذ یُمن اور یمین ہے جس کے اصل معنی قوت، برکت، اور سعادت وغیرہ ہیں چونکہ دست راست (داہنے ہاتھ) میں بنسبت بائیں ہاتھ کے قوت زیادہ ہوتی ہے اس لئے دائیں کو یمین اور بائیں کو یسار کہتے ہیں۔ اور جانب یمین کو ایمن یا میمنہ اور اس کے مقابل کو ایسر یا میسرہ کہا جاتا ہے، لہٰذا تیمُّن و تیامُن کے معنی یمین سے کسی کام کو کرنا، یا جانب یمین سے شروع کرنا، یا یمین کی طرف آنا، یا برکت حاصل کرنا وغیرہ۔

(مفردات ص:۶۱۳ قاموس ۴/۲۸۸) قوله التيمُّن لفظ مشترك بين الابتداء باليمين وبين تعاطى الشى باليمين وبين التبرك وبين قصد اليمين ولكن القرينة دلت على ان المراد المعنى الاول. (عمدۃ القاری ۳/۳۱)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ابتداء بالیمین اور ابتداء بالشق اور یمن دونوں معنی ہیں (ارشاد الساری ۱/۴۵۰) حدیث کا مطلب خیز ترجمہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے کاموں میں ہمیشہ دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے اگر کنگھا کرتے تو پہلے دائیں جانب پھر بائیں جانب۔ اگر جوتا پہنتے تو پہلے داہنے پیر میں پھر بائیں پیر میں جوتا ڈالتے۔ اگر کرتہ پہنتے تو پہلے آستین میں دائیں ہاتھ ڈالتے پھر بایاں۔ دانتوں میں اگر مسواک کرتے تو پہلے دائیں جانب لیجاتے پھر بائیں جانب۔ ہر اچھی چیز میں آپ ﷺ دائیں

جانب کو پہلے اختیار فرماتے یہی کام مؤمن کا ہونا چاہئے کہ ہر اچھے کام میں دائیں جانب کو پہلے اختیار کرے۔

پیغمبر ﷺ سے قولاً وعملاً جہاں جہاں تیامن کی رعایت کرنا منقول ہے اس کی مختلف جہتیں ہیں۔

تیامُن وتیمّن کے معنی۔کمامرّ۔کسی کام کو یمین سے کرنا یا جانب یمین سے شروع کرنا ہے اور (۱) جانب یمین کا اعتبار عموماً فاعل کے لحاظ سے ہوتا ہے البتہ (۲) بعض مقام پر غیر فاعل کے لحاظ سے تیامن کی رعایت مطلوب ہے ''جیسے نبی کریم ﷺ نے حلاّق سے کہا لو بال کترو اور دائیں جانب اشارہ کیا پھر بائیں جانب نائی کے حوالہ کیا۔معلوم ہوا کہ حلق میں محلوق کا دایاں مراد ہے'' (تنویرالشعور ص:۱۵) یا جیسے مجلس میں صدر مجلس کی جانب سے کوئی شئی پیش کی جائے یا تقسیم کی جائے تو میر مجلس کے اعتبار سے تیامن کی رعایت مستحب ہے نہ کہ قاسم ومقسوم کے لحاظ سے۔(۳) بعض موقع پر یمین کی جانب آنے کو بھی تیامن میں شمار کیا گیا ہے جیسے کہ تین انگلیوں سے تناول کے بعد لعوقِ اصابع کا طریق امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ پہلے وسطی پھر مُسبّحہ پھر ابہام۔اسی طرح ناخن تراشنے میں داہنے ہاتھ کے مُسبّحہ (شہادت کی انگلی) سے شروع کر کے خنصر کی طرف آئے۔ (۴) بعض جگہ تیامن تیاسر دونوں کا اختیار ہے جیسے حضور ﷺ کسی کے گھر کے دروازہ کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں۔(۵) بعض مقام پر تیامن افضل ہونے کے باوجود جانب یسار میں کوئی وجہ ترجیح ہو تو پھر یسار کو اختیار کرنا اولیٰ اور راجح ہوگا جیسے امام کے داہنے طرف نماز میں رہنا افضل ہے مگر بائیں صف میں مصلی کم ہوں تو پھر بائیں طرف کھڑے ہونے میں زیادہ اجر ہے اور جیسے انگوٹھی کہ حضور ﷺ نے ابتداءً داہنے میں پہنی لیکن آخرالامرین بائیں ہاتھ میں پہننا ہے جیسا کہ محدثین نے ذکر کیا ہے (۶) بعض احکامِ شرعی میں یمین کی ترجیح کی نوعیت بالکل الگ ہے نہ ابتداء بالیمین ہے اور نہ ابتداء بالشق الایمن ہے جیسے تحریمہ میں ہاتھ باندھنے میں کہ یمین اوپر اور یسار نیچے ہوتا ہے اور جیسے تکفین میں کہ بائیں طرف کے کپڑے کو پہلے پھر داہنے طرف کے کپڑے کو لپیٹا جاتا ہے تاکہ داہنا اوپر رہے اور بایاں نیچے۔(۷) اور بعض موقع پر یمین ویسار کی جہت موجود ہے لیکن شریعت نے فعل کے انجام دینے میں تیامن کا اعتبار نہیں کیا جیسے خوین (رخسار) کو وضوء میں دھونا کہ وجہ پورا ایک عضو شمار کیا گیا ہے۔نیز مسح رأس اور اُذنین میں کہ ایک ساتھ کیا جاتا ہے (۸) اور بعض فعل شرعی وہ ہے جس کا تحقق ایک ہی جہت میں متعین ہے جیسے معانقہ کہ وہ بائیں طرف ہی کیا جاتا ہے چونکہ قلب بائیں جانب ہے اور معانقہ بشاشت قلبی کے

اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔

(۹) اور اگر کسی چیز کا وجود ہی خیر القرون میں نہیں تھا مثلاً دستی گھڑی تو اس میں پہننے والے کی اپنی صوابدید اور ترجیح پر مدار ہوگا۔ حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی مجلس میں کسی نے سوال کیا کہ گھڑی کونسے ہاتھ میں پہننی مستحب ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں گھڑی نہیں تھی۔

تیامن کے مواقع کی تفصیل

تیامن کا اہتمام کرنا (اور تیاسر کا بھی) پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرام سے جن مواقع میں ثابت ہے علمائے امت نے ان کو جمع کر دیا نیز ایک ضابطہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

شارح مسلم شریف امام محی الدین نوویؒ لکھتے ہیں: هذه قاعدة مستمرة فی الشرع وهی اَن ما كان من باب التكريم والتشريف كلبس الثياب والسراويل والخف ودخول المسجد والسواك والاكتحال وتقليم الاظفار وقص الشارب وترجيل الشعر وهو مشطه ونتف الابط وحلق الرأس، والسلام من الصلاة وغسل اعضاء الطهارة والخروج من الخلاء والاكل والشرب والمصافحة واستلام الحجر الاسود وغير ذلك مما هو فی معناه يستحب التيامن فيه اما ما كان بضده كدخول الخلاء والخروج من المسجد والامتخاط والاستنجاء وخلع الثوب والسراويل والخف وما اشبه ذلك فيستحب التياسر فيه وذلك كله لكرامة اليمين وشرفها والله اعلم (نووی شرح مسلم ۱/۱۳۲، فتح الباری ۱/۳۶۲، عمدۃ القاری ۳/۳۲)

وفی البنايه اتفق العلماء بانه يستحب تقديم اليمنى فی كل ما هو من باب التكريم كالوضوء والغسل، ولبس الثوب والنعل، والخف، والسراويل ودخل المسجد والسواك والاكتحال وتقليم الاظفار، وقص الشارب، ونتف الابط، وحلق الرأس، والسلام من الصلاة، والخروج من الخلاء، والاكل، والشرب، والمصافحه واستلام الحجر الاسود، والاخذ والعطاء وغير ذلك. ويستحب تقديم اليسار فی ضد ذلك كالامتخاط والاستنجاءِ ودخول الخلاء والخروج من المسجد ونزعِ الخف والسراويل والثوب واشباه دلك انتهى (السعايہ ۱/۱۷۶)

یعنی ہر وہ کام جو تکریم وتشریف اور تزیین کے قبیل سے ہو تو علماء کا اتفاق ہے کہ یمین کو مقدم کرنا مستحب ہے جیسے وضوء، اور غسل میں کرتہ، پائجامہ، موزہ اور نعلین کے پہننے میں، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا، ناخن کترنا، مونچھ تراشنا، بالوں میں کنگھا کرنا، موئے بغل اکھیڑنا (صاف کرنا) سرمنڈانا، نماز سے سلام پھیرنا، بیت الخلاء سے نکلنا، کھانا، پینا، مصافحہ کرنا، حجر اسود کا استلام کرنا، اور لینا، دینا وغیرہ ان سب میں تیامن مستحب ہے اور جو کام کرامت وشرافت کے قبیل سے نہ ہوں جیسے بیت الخلاء میں داخل ہونا، مسجد سے نکلنا، رینٹ صاف کرنا (یعنی ناک کی صفائی) استنجاء کرنا، موزہ، نعلین، کرتا اور پائجامہ کا نکالنا اور اس کے مانند کاموں میں تیاسر مستحب ہے۔

یستحب ان یبتدئ فی لبس الثوب والنعل والسراویل وشبهها بالیمین من کمیه ورِجلی السراویل ویخلع الایسر ثم الایمن و کذلك... والمصافحه واستلام الحجر الاسود واخذ الحاجة من انسان ودفعها الیه وما اشبه هذا کله یفعله بالیمین وضده بالیسار (اذکار للنووی ۱/۲۷) .... والصلاة علی میمنة الامام ومیمنة المسجد... لایقال حلق الرأس من باب الازالة فیبدأ فیه بالایسر لانه من باب التزین وقد ثبت الابتداء فیه بالایمن (ارشاد الساری للقسطلانی ۱/۴۵۰)

انشاء اللہ مذکورہ مقامات کی الگ الگ مختصر تشریح حوالوں کے ساتھ بعد میں قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

معانقہ کا معہود طریقہ

حضرت فقیہہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی کے انتقال کے بعد بلکہ شاید پہلے معانقہ کے سلسلہ میں ایک اختلاف یہ نمودار ہوا کہ اس کا جو معہود طریقہ ہے اس کے خلاف سینہ کو سینہ سے داہنے جانب (جو قلب سے خالی ہے) ملایا جائے اور بطور دلیل یہ کہا جاتا کہ تیامن مستحب ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیامن فی شأنہ کلہ شانہ کے عموم سے استفادہ کرتے ہوئے معانقہ میں بھی تیامن کا لحاظ کیا جانے لگا رفتہ رفتہ اس خیال میں شدت آنے لگی کہ اگر اُن سے معانقہ کیلئے آگے بڑھتا تو گرمجوشی سے ان کے سینہ کو اپنے دائیں جانب کھینچ لیتے حتی کہ علماء وفضلاء کو بھی تشویش ہوجاتی اور جب معانقہ کی نوبت آتی تو دائیں بائیں کے چکر میں پڑ جاتے۔

چونکہ تیامن کا استحباب ظاہر ہے اور معانقہ کا بائیں جانب ہونا بھی عیاں ہے اس لئے حادث طریق کو خاموشی سے کرگذرتے اور بعض علماء قدیم طریقہ کو خلافِ سنت سمجھنے لگے جیسا کہ راقم کو سابقہ پڑا۔ پس اِس بناء پر کہ امت کے اسلاف متقدمین ومتأخرین اور بعد کے علماء اسلام اور ماضی قریب کے ہمارے علمائے ہند بالخصوص اکابر دیوبند جو اعمقهم علمًا وامثلهم طريقة کے مصداق تھے اور یہ طریق معانقہ خیر القرون سے ان ہی متبعین شریعت کے تعامل سے گذرتا ہوا ہم تک پہنچا ہے جو بائیں جانب ہوتا ہے اور قدرتی ترجیح (کہ قلب بائیں جانب ہے) کے موافق ہے۔ ناچیز نے یہ تحقیق پیش کی ہے اور تیامن کے بارے میں سابقہ تفصیلی کلام بھی اسی خاطر پیش کیا گیا ہے، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ تحریر دلچسپ اور دل پذیر ثابت ہوگی۔

اسلامی تحیہ اور معانقہ

دو شخص جب آپس میں ملاقات کرتے تو اظہار تعلق ومحبت میں ایک دوسرے کو زمانۂ جاہلیت میں ”حيّاك الله“ یا ”انعم صباحا“ جیسے الفاظ سے مبارکباد دیتے تھے۔ اِس تحیہ سے انکا مقصد صرف دنیاوی زندگی کی بقا ہوتا لیکن یہ عارضی حیات بھی اگر مصائب وشدائد میں گھری ہو تو پھر زندگی کا کیا لطف کہ ع نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم۔

اس لئے مذہبِ اسلام نے (جو کہ انسان کی طبائع اور نفسیات کا بھرپور لحاظ رکھتا ہے) تحیہ کیلئے ایسا لفظ تجویز کیا جو انسان کے تحیہ کا سب سے پہلا کلمہ ہے جس میں اشارہ ہے کہ محض زندگی مقصود نہیں بلکہ خالق کی یاد کے ساتھ جان ومال کی سلامتی اور ہر ایک سے امن وآشتی مطلوب ومرغوب ہے تاکہ دنیا کی کھیتی سے آخرت کے گھر کیلئے پاکیزہ اعمال لیجاسکے۔ سلام سے محبت کی تخم ریزی ہوتی ہے، اخوت قائم ہوتی ہے، سنتِ نبوی عام ہوتی ہے، رشتہ استوار ہوتا ہے، صلہ رحمی میں دوام ہوتا ہے اور رضائے مولیٰ نصیب ہوتی ہے۔ مزید اظہار محبت کیلئے مصافحہ ہے جو سلام کا تکملہ ہے۔ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ، باہم مودّت میں دوام واضافہ کا سبب ہے۔ تیسری چیز ہے سینہ سے سینہ ملاکر غایتِ مسرت وبشاشت قلب کا اظہار کرنا ہے جسے عرف عام میں معانقہ کہتے ہیں۔

معانقہ احادیث وآثار کی روشنی میں

معانقہ کا وجود قدیم زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا ہے، حضرت ابراہیمؑ کو اللہ

تعالیٰ نے بہت سے فطری احکام کا مکلّف کیا اور بہت سے امور میں آپ کو اوّلیت کی فضیلت عطا فرمائی ہے ان میں ایک عمل معانقہ بھی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے موطأ مالک کی شرح میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے ابراہیمؑ نے معانقہ کیا گویا معانقہ شریعتِ ابراہیمی کے بقایا میں سے ہے۔ اور دین فطرت کے سب سے بڑے داعی رسول عربی ﷺ اور آپ کے جان نثار صحابہ کرام سے معانقہ کا ثبوت ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) عن عائشةؓ قالت قدم زید بن حارثة المدینة ورسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی بیتی فاتاه فقرع الباب فقام الیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عریانا یجر ثوبه واللّٰهِ مارأیته عریانا قبله ولا بعده فاعتنقه وقبله. (رواہ الترمذی فی باب المعانقہ)

یعنی پیغمبر ﷺ زید بن حارثہ کی طرف برہنہ بدن بڑھے اور ان سے معانقہ فرمایا۔

(۲) عن ایوب بن بُشَیر عن رجل من عَنَزة انه قال لابی ذر هل کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصافحکم اذا لقیتموه قال مالقیتُه قط الاصافحنی وبعث الی ذاتَ یوم ولم اکن فی اهلی فلما جئتُ اُخبِرتُ فاتیتُه وهو علی سریر فالتزنی فکانت تلك اجود واجود. (رواہ ابوداوٗد فی کتاب الادب)

اس حدیث کے تحت ملاعلی قاریؒ صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں قوله اجود ای من المصافحه فی افاضة الروح والراحة او احسن من کل شیء. (حاشیہ مشکوٰۃ)

مولانا عبدالحق محدث دہلوی صاحب راشعۃ اللمعات لکھتے ہیں ”پس معانقہ کرد مرا پس بود آں معانقہ جیدتر وسرہ تر از معانقہ ہائے مردم یا از مصافحہ کہ آنحضرت میکرد در افاضہ وایصال ذوق وراحت“ (اشعہ ۴/۲۵)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب بذل المجہود لکھتے ہیں فالتزمنی ای عانقنی فکانت تلك المعانقه اجود واجود ای احسن واطیب. (بذل ۱۳/۵۹۹)

وعلم من هذا الحدیث جواز المعانقه فی غیر حالة القدوم اظهارًا لشدة المحبة والعنایة. (تعلیق الصبیح ۵/۱۱۹)

امام بیہقی نے اپنی کتاب ”الآداب“ میں مذکورہ حدیث میں یہ تفصیل نقل کی ہے:

لم یلقنی قط الا اخذ بیدی الا مرة واحدة وکانت تلك اجودهن ارسل الی فی مرضه الذی توفی فیه فاتیتُه وهو مضطجع فاکببتُ علیه فرفع یده فالتزمنی (الآداب ص۹۴)

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں مجھے بلا بھیجا میں آیا آپ (ﷺ) چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے میں آپ پر جھکا تو آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور مجھے چمٹایا یعنی سینہ سے لگایا۔ یہ معانقہ روحانیت اور راحتِ باطنی کے افاضہ میں مصافحہ سے عمدہ تھا یا اور لوگوں کے معانقہ سے عمدہ تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر سے واپسی کے علاوہ حالت میں بھی معانقہ درست ہے انتہائی محبت وتوجہ کے اظہار کیلئے۔ اور الآداب للبیہقی کی روایت سے معلوم ہوا کہ یہ معانقہ حضور ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں لیٹنے کی حالت میں ہوا ہے۔ یہ صورت بہت سے اکابر کے یہاں بھی پیش آئی ہے مثلاً حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی نے مرض الوفات میں اپنے صاحبزادے مولانا یوسف صاحب کاندھلوی کو سینہ سے لگایا اور روحانی فیض منتقل فرمایا۔

(۳) عن عکرمة بن ابی جهل قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوم جئتُه مرحبا بالراکب المهاجر (مشکوٰة)

مصنف تعلیق الصبیح مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں کان شدید العداوة لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم هو وابوه وکان فارسا مشهورا هرب یوم الفتح فلحق بالیمن فلحقت به امرأته ام حکیم بنت حارث ابن هشام فاتت به البنیّ صلی اللّٰه علیه وسلم فلما راه قال مرحبا بالراکب المهاجر. وفی روایة لما راٰه قام الیه فاعتنقه وقال مرحبا بالراکب المهاجر فاسلم بعد الفتح (تعلیق ۱۲۰/۵)

یعنی عکرمہ بن ابی جہل کو فتح مکہ کے بعد جب آپ کی خدمت میں اُن کی بیوی ام حکیم لیکر آئیں تو حضور ﷺ حضرت عکرمہ کی طرف بڑھے اور معانقہ فرمایا اور مرحبا بالراکب المہاجر کہہ کر استقبال کیا۔

(۴) عن الشعبی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم تلقی جعفر بن ابی طالب فالتزمه وقبل بین عینیه وعن جعفر بن ابی طالب فی قصة رجوعه من ارض الحبشة قال فخرجنا حتی اتینا المدینة فتلقائی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاعتنقنی ثم قال ما ادری انا بفتح خیبر افرح ام بقدوم جعفر ووافق ذلك فتح خیبر. (رواه فی شرح السنة)

یعنی حضرت جعفرؓ جب حبشہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آرہے تھے تو راستہ میں خیبر اس وقت پہنچے جب خیبر فتح ہو چکا تھا کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے میرا استقبال کیا اور مجھ سے معانقہ فرمایا۔

(۵) عن رجل من بنی حریش قال ضمنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم

فسال علَیّ مِن عرق ابطیه مثل ریح المسك (مواہب لدنیہ۲/۵۷)

قبیلہ بنو حریش کے ایک شخص کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے (اپنے سینہ سے) لگایا تو حضور ﷺ کے بغل مبارک کا پسینہ مثل مشک کے مجھ پر بہہ پڑا۔

(۶) عن ابن عباسؓ قال ضمنی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الی صدره فقال اللهم علمه الحکمة.

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور یہ دعا دی۔

(۷) عن ابی هریرة قال خرجت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی طائفة من النهار حتی اتی خباءَ فاطمة فقال أثَمّ لُکعُ أثَمّ لُکعُ یعنی حَسَنًا فلم یلبث ان جاء یسعی حتی اعتنق کل واحد منهما صاحبه فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اللهم انی أحِبُّه فاَحِبَّه واَحِبَّ من یُحبُّه (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۵۶۸)

(۸) عن یعلی بن مرة انه قال: خرجنا مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ودُعینا الی طعام فاذا حُسَیناً یلعب فی الطریق فاسرع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم امام القوم ثم بسط یدیه فجعل الغلام یفِرّ ههنا وههنا ویضاحکه النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم حتی اخذه فجعل احدی یدیه فی ذقنه والأخری فی رأسه ثم اعتنقه ثم قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم حسینٌ مِنی فانا من حُسینٍ احَبَّ اللّٰہ من احَبَّ حسیناً، الحسین سبط من الاسباط (ادب المفرد ص ۱۱٦ فی باب معانقه الصبی)

اِن دونوں روایتوں میں ہے کہ پیغمبر ﷺ نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے معانقہ فرمایا۔

(۹) عن ابن عقیل ان جابر بن عبد اللّٰہ حدثه انه بلغه حدیث عن رجل من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فابتعتُ بعیرًا فشددت الیه رحلی شهرا حتی قدمتُ الشام فاذا عبد اللّٰہ بن اُنیس فبعثت الیه ان جابرًا بالباب فرجع الرسول فقال جابر بن عبداللّٰہ؟ فقلت نعم فخرج فاعتنقنی الخ (ادب المفرد باب المعانقه ص۳۸۷)

یعنی حضرت جابر بن عبداللہ جب علومسند کے حصول کیلئے ایک ماہ کی طویل مسافت طے کر کے حضرت عبداللہ بن انیسؓ کے پاس پہنچے تو اطلاع پا کر عبداللہ بن انیس گھر سے نکلے اور ان سے معانقہ کیا۔

(۱۰) عن ام الدرداءؓ قالت قدم علینا سلمان فقال این اخی قلتُ فی المسجد فاتاه فلمّا راه اعتنقه (طحاوی شریف ۳٦٢/۲)

(۱۱) محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ لکھتے ہیں: حضرت عمر جب ملک شام پہنچے اور وہاں تمام امرائے لشکر اور سربرآوردہ لوگوں سے ملاقات ہوچکی تو فرمایا میرے بھائی کہاں ہیں لوگوں نے پوچھا کون؟ فرمایا ابوعبیدہ، لوگوں نے کہا ابھی آتے ہیں جب وہ آئے تو حضرت عمرؓ نے سواری سے اتر کر اُن سے معانقہ کیا۔ (اعیان الحجاج ص۴۳)

(۱۲) اور مغفرت کے چھینٹوں سے نہائے ہوئے حجاج کرام سے فرشتے جیسے مقرب بندوں کے معانقہ کرنے کی خبر صادقِ مصدوق ﷺ نے دی ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے فضائل حج میں ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے "ان الملائکة لتصافح رکبان الحاج وتعتنق المشاة"

غرض معانقہ کا عمل پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرام سے بخوبی ثابت ومنقول ہے، طبرانی نے اوسط میں حضرت انسؓ کی حدیث نقل کی ہے۔

اخرج الطبرانی فی الاوسط من حدیث انس کانوا اذا تلاقوا تصافحوا واذا قدموا من سفر تعانقوا (تحفۃ الاحوذی ۷/۵۵۴)

امام بیہقیؒ نے امام شعبیؒ کا قول نقل کیا ہے کان اصحاب محمد اذا التقوا صافحوا فاذا قدموا من سفر عانق بعضهم بعضاً (الآداب ص۹۴)

فقیہہ ابواللیث سمرقندی لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام جب سفر سے واپس آتے تو ایک دوسرے سے معانقہ کرتے اور بعض بعض کی پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ (بستان العارفین ص۸۷)

امام غزالیؒ لکھتے ہیں الالتزام والتقبیل قد ورد به الخبر عند القدوم من السفر (احیاء)

معلم الحجاج میں شرح شرعۃ الاسلام سے اس طرح نقل کیا کہ اصحاب رسول ﷺ جب آپس میں ملاقات کرتے تو معانقہ کرتے اور جب الگ ہوتے تو مصافحہ کرتے، اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور مغفرت طلب کرتے تھے۔ (ص۳۴) اور کتاب الامامۃ والسیاسۃ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ گھمسان کی لڑائی سے قبل ملے اور دونوں نے معانقہ کیا اور روئے (حدود اختلاف ص۷۸)

معلوم ہوا کہ معانقہ مختلف احوال میں ثابت ہے: از یں جا معلوم گردد کہ معانقہ در غیر حال قدوم از سفر نیز آمدہ از برائے اظہار محبت وعنایت۔ (شعۃ اللمعات ۴/۲۵)

معانقہ کی ممانعت والی حدیث کے جوابات

معانقہ کے سلسلہ میں حضرت انسؓ کی ایک روایت ایسی ہے جس میں ممانعت ہے عن انس

بن مالك انهم قالوا: يا رسول الله أينحنى بعضنا لبعض اذا التقينا قال لا قالوا أفيعانق بعضنا بعضاً قال لا قوالا افيصافح بعضنا بعضاً قال تصافحوا (معانی الآثار للطحاوی ۲/۳۶۲)

اور ترمذی میں اس طرح ہے: الرجل منا يلقى اخاه او صديقه أينحنى له قال لا قال أفيلتزمه ويقبله قال لا قال أفياخذ بيده ويصافحه قال نعم. (ترمذی باب المعانقہ)

امام طحاوی باب المعانقہ کے اخیر میں لکھتے ہیں فهولاء اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قد كانوا يتعانقون فدل ذلك ان ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من اباحة المعانقه متأخر عما روى عنه من النهى عن ذلك.

یعنی ممانعت والی روایت امام ابوجعفر طحاویؒ کے نزدیک منسوخ ہے اسلئے کہ معانقہ کی اجازت والی روایت متأخر ہے جیسا کہ الآداب للبیہقی کے الفاظ سے بھی واضح ہے (حدیث نمبر۲ میں دیکھئے)

شیخ ابومنصور ماتریدی احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ان المكروه من المعانقه ما كان على وجه الشهوة واما على وجه البر والكرامة فجائزة. وقيل الخلاف فيما اذا لم يكن عليه غير الازار اما اذا كان عليه قميص اوجبةٌ فلا بأس بالاجماع (تعلیق الصبیح ۵/۱۱۷)

یعنی وہ معانقہ مکروہ ہے جو بطور شہوت کے ہو لیکن اگر حسن سلوک اور اکرام کے طور پر کیا جائے تو درست ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر معانقہ کرنے والے کے بدن پر سوائے تہہ بند کوئی کپڑا نہ ہو تو مکروہ ہے اور اگر جسم پر کرتا، یا جبہ (وغیرہ) ہو تو معانقہ بالاتفاق جائز ہے۔

معانقہ کے مواقع

وقيل المكروه هو ما كان على سبيل التملق والتعظيم والجائز ما كان عند التوديع و القدوم او لطول عهد الملاقاة او لشدة الحبّ فى الله و عند الامن. (بذل المجہود ۱۳/۵۹۹)

یعنی مکروہ معانقہ وہ ہے جو تملق وچاپلوسی کے طریقہ پر ہو اور جو معانقہ رخصت کرتے وقت، سفر سے واپسی کے وقت، ملاقات کا زمانہ طویل ہوجانے کے وقت یا حُبّ فی اللہ کے غلبہ کے وقت، اور شہوت اور برائی کے اندیشہ سے اَمن کے وقت کیا جاتا ہے وہ جائز ہے۔ نیز حالت مرض میں بھی معانقہ کرنا حضرت ابوذرؓ کی حدیث سے معلوم ہوا۔ (اشعۃ اللمعات ۴/۲۴۴)

معانقہ کی حقیقت لغویہ اور حقیقت شرعیہ عرفیہ

معانقہ، تعانق اور اعتنق عُنق سے مفاعلہ، تفاعل اور افتعال کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں گردن سے گردن ملانا (جیسا کہ مصافحہ کے لغوی معنی ہتھیلی کا ہتھیلی سے ملانا) ہے۔

لغوی حقیقت میں صرف گردن ملانا ہے جبکہ عرف شریعت میں اس کی حقیقت محض گردن ملانا نہیں ہے بلکہ (محبت قلبی کے اظہار میں) سینہ سے سینہ ملانا ہے۔

محدثین نے اپنی کتابوں میں مصافحہ ومعانقہ پر مستقل باب قائم کرکے معانقہ سے متعلق جو احادیث وآثار بیان کئے ہیں کما ذکرتُ شیئاً منھا. اُن میں تین طرح کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اعتنقنی، ضمنی، التزمنی. پہلے لفظ میں گردن کا ملانا ظاہر ہے، دوسرے لفظ میں سینہ کا ملانا بھی صراحتاً موجود ہے اور تیسرے لفظ میں سینہ کا لگانا اقتضاءً ہے۔ البتہ پہلا لفظ باب مفاعلہ اور تفاعل سے بھی آثار میں وارد ہے۔ تینوں کا مصداق ایک ہے یعنی سینہ سے سینہ لگانا جس کو عرف عام میں معانقہ کہتے ہیں۔

بہرحال سابقہ احادیث وآثار اور اقوالِ علماء سے معلوم ہوگیا کہ پیغمبر ﷺ اور صحابہ میں معانقہ کا معمول تھا اور سلف وخلف میں بھی توارث وتعامل قائم ہے۔ تو اب معانقہ کا جو طریقہ پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرام کا رہا ہے وہی اس لفظ کی حقیقت شرعیہ عرفیہ ہے اور وہی طریقہ معہود اور مستحب ہوگا۔

معانقہ میں قلبی پہلو کی رعایت مطلوب ہے

(۱) معانقہ (یعنی سینہ سے سینہ ملانا) کا عمل ہر انسان کے اپنے بائیں جانب سے انجام پاتا ہے جیسا کہ علمائے امت اور اہل اسلام کے تعامل سے ثابت ہے اور تعامل حجۃ شرعیہ ہے۔ بذلك جرت العادة الفاشية وهي احدى الحجج (هدايه) پس اسکے مطابق عمل کرنا ہی صحیح عمل کہلائیگا۔

(۲) اہل علم جانتے ہیں کہ اکابر علماء اور مشائخ صوفیاء کی عملی زندگی امت کیلئے اتباع سنت کا نمونہ ہوتی ہے عوام تو ان کے عمل سے استدلال کرتے ہیں لیکن علماء ان کے عمل کو دیکھ کر اتباعِ سنت کا یقین کرتے ہیں۔ مثلاً ماضی قریب کے ہی حضرات اکابر کو دیکھئے: سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جو بمنزل شجر طوبی کے ہیں اور ان کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء شاخ بار آور ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں: سینہ سے سینہ ملاکر سب کچھ ملنے کے واقعات مشائخ کے کثرت سے ہیں (اکابر کا سلوک واحسان ص ۶۳)

حضرت فقیہہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی جو حضرت شیخ الہندؒ کے اجل خلفاء میں ہیں آپ کے شیخ طریقت وجامع شریعت ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے اور اتباع سنت میں آپ کی زندگی رچی بسی معلوم ومشاہد ہے۔ راقم السطور کو حضرت والا کے پاس ایک عرصہ رہنے کا اتفاق ہوا ہے چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند میں حضرت اقدس کی زیارت وملاقات اور استفادہ کیلئے آنے والے ملک کے اکابر وعلماء کے ساتھ آمد ورخصت کے وقت مصافحہ ومعانقہ اور خود حضرت فقیہہ الامت کے ہند کے طول وعرض میں اور بیرون ممالک تشریف لیجانے اور واپسی کے موقع پر بھی سینکڑوں اہل علم ومتعلقین سے مصافحہ ومعانقہ کا منظر بار بار ناچیز نے بچشم اعتبار مشاہدہ کیا ہے۔ ہمیشہ معہود طریقہ کے مطابق کرتے ہوئے پایا۔ حضرت کو خلافِ مستحب عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ چہ جائے کہ اس پر اصرار ہو۔

اور پھر قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ جن کے خلفاء دنیا کے مختلف خطوں میں علمی وروحانی فیض پہنچا رہے ہیں آپ نے اپنے مسترشدین ومعتقدین کے ساتھ جب کبھی معانقہ فرمایا وہ تعامل اور معہود طریقہ کے مطابق ہی ہوا کرتا تھا۔ بطور نمونہ ملاحظہ فرمایئے ڈاکٹر مولانا اسماعیل مدنی خلیفہ شیخ الحدیث (مقیم امریکہ) لکھتے ہیں۔ ہمارا چھ نفری قافلہ ...قبیل نماز جمعہ سہارنپور پہنچا جمعہ کی نماز حضرت شیخ کے ساتھ ادا کرکے مصافحہ کیلئے ہم لوگ آگے بڑھے سب سے پہلے بندہ نے معانقہ کیا حضرت پر گریہ طاری ہوگیا سب ساتھیوں نے باری باری معانقہ کیا (حضرت مولانا زکریا کاندھلوی اور دیگر اکابر کا رمضان ص ۳۹)

غرض حضرات صوفیائے کرام کے یہاں معانقہ کا طریقہ یہی ہے کہ سینہ سے سینہ (یعنی دل سے دل) ملا کر محبت کا اظہار فرمارہے ہیں یا روحانی فیض سے مرید باصفاء کو بہرہ ور کررہے ہیں اگرچہ بغیر معانقہ کے بھی چشمۂ فیض رواں رہتا ہے۔

(۳) حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ قیّم وقت ہونے کے ساتھ فقیہہ الامت بھی تھے دارالعلوم دیوبند اور ہندوستان کے بلاتردد مفتی اعظم تھے۔ آپ کا ایک جملہ ظریفانہ مگر فقیہانہ اس سلسلہ میں حقیقت کشا ہے مولانا مسعود احمد غازی آبادی خلیفہ حضرت فقیہہ الامت نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ کوئی مہمان آئے اور حضرت سے معروف طریقہ کے مطابق معانقہ کرکے دوسری جانب بھی سینہ بڑھایا تو حضرت فقیہہ الامت نے فرمایا کہ ''بھئی دل تو ایک ہی ہے'' یا ''ایک ہی جانب ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ معانقہ ایک ہی مرتبہ ہوگا اور قلبی جانب میں ہوگا۔ پتہ چلا کہ عوام میں دو

یا تین مرتبہ معانقہ کرتے ہیں یہ بھی درست نہیں ہے۔

(۴) حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی معانقہ کی حکمت اور راز شریعت ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں والسر فی المصافحة وقوله مرحبًا لفلان معانقة القادم ونحوها انها زيادة فی التبشیش ورفع الوحشة والتدابر. (حجۃ اللہ البالغہ)

(ترجمہ) اور راز مصافحہ میں اور اس کے کسی کو خوش آمدید کہنے میں اور آنے والے سے معانقہ کرنے میں اور اس کے مانند میں یہ ہے کہ یہ چیزیں مودّت، بشاشت، رفع وحشت اور دفع قطع تعلقی میں اضافہ ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵/۵۵۱)

پس جب معانقہ میں قلبی مودّت و بشاشت اور دل سے وحشت و بغض کے رفع کا اظہار ہے تو حکمت کا تقاضہ ہے کہ معانقہ کرنے والوں کا سینہ اس طرح ملے کہ گویا دونوں کے دل مل گئے تاکہ ظاہر اور معنی میں مطابقت ہو جائے اور دل ہر انسان کے سینہ میں بس ایک ہی اور وہ بھی بائیں جانب رکھا گیا ہے ما جعل الله لرجل من قلبین فی جوفه اس لئے معانقہ میں وہی جہت اپنے مقصود کے لحاظ سے متعین ہو جاتی ہے اور تعامل اس کا شاہد ہے پس اس کی رعایت کرنا شرعاً مطلوب ہے اور وہی سنت کے موافق ہے۔

(۵) حدیث یحب التیامن فی شأنه کله کی شرح کرتے ہوئے امام نووی نے شرح مسلم میں تیامن کے بہت سے مواقع ذکر کئے ہیں اور کم وبیش دوسرے شراح اور محدثین نے بھی بیان کیا ہے۔ فقہاء نے بھی اختصار و تفصیل سے اُن مواقع کو جمع کیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ نے السعایہ میں البنایہ شرح الہدایہ سے وہ مقامات شمار کرائے ہیں جیسا کہ تیامن کے مضمون میں گذر چکا اِن تمام مواقع پر پھر نظر ڈالیئے تو معلوم ہوگا کہ تیامن کا استحباب وہاں ہے جہاں یمین وشمال دونوں سے عمل کا تعلق ہے تو اب سوال یہ ہے کہ فعل کی ابتداء کدھر سے کی جائے یا دونوں میں سے کس سے فعل کو انجام دیا جائے جواب دیا گیا کہ جو عمل باب تکریم وتزئین اور تشریف سے ہے اس میں تیامن مستحب ہے یہی وجہ ہے کہ مصافحہ کو شمار کرایا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت ہے والمصافحة بکلتا یدیه سُنة (تعلیق الصبیح) تو پہلے داہنا ہاتھ بڑھائے۔ اور معانقہ باوجودیکہ وہ تکریم کے قبیل سے ہے اور راقم آثم نے فتح الباری، عمدۃ القاری، قسطلانی، بذل المجہود، نووی شرح مسلم، فتح تعلیق الصبیح، مرقاۃ المفاتیح، اشعۃ اللمعات، وغیرہ کتب حدیث کی متعدد شروح اور کتب فقہ میں متعلق مقام کا مطالعہ کیا گیا مگر معانقہ کہیں مذکور نہیں پایا حتی کہ بطور

استثناء بھی کسی نے ذکر سے تعرض نہیں کیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہے کہ عرف شریعت میں معانقہ کی ایک ہی صورت متعین ہے۔ اس سلسلہ میں دو نکتے مزید پیش کئے جاتے ہیں وھذا ان کا صحیحاً فمن اللّٰہ عز وجلّ والاّ فمِن نَفسِی ومِن الشیطانِ – نعوذ باللّٰہ منھما –.

(۶) افاضہ واستفاضہ اور محبت کا اصل ذریعہ قلب ہے اور اس کے لئے جانبین سے قلوب کا متوجہ ہونا ضروری ہے قرب مکان ضروری نہیں ہے لیکن محبت کی کشش جب زیارت وملاقات پر آمادہ کرتی ہے اور وصال کے قریب پہنچادیتی ہے تو بتقاضۂ فرطِ محبت دل کا دل سے ظاہراً اتصال بھی مرغوب ہوجاتا ہے اور معانقہ کی صورت میں مطلوب شرعی بن جاتا ہے۔ بعض حکم شرعی میں اس کی نظیر دیکھی جاسکتی ہے۔

دیکھئے خانہ کعبہ کے طواف کیلئے حجر اسود کا استلام کرکے جب دائیں طرف رخ کیا جاتا ہے تو کعبہ بائیں جانب ہوجاتا ہے اور یہی مقصود اور شرعی حکم بھی ہے اس میں یہ لطیف حکمت مرعی ہوسکتی ہے کہ مومن دور رہ کر نمازوں میں خانہ کعبہ کا استقبال کیا کرتا تھا لیکن جب اس کی زیارت ولقاء نصیب ہوئی تو طواف کرنے والا اشوقِ وصال میں اپنے قلب کو جو کہ مَورِدِ انوار ہے بیت اللہ کے مقابل جو کہ قلب الارض ہونے کی وجہ سے مہبِطِ رحمت ہے اس طرح رکھتا ہے کہ درمیان میں خود طواف کرنے والے کا شق اَیمن بھی حائل نہیں ہے تا کہ بخوبی رحمت الٰہی سے مستفیض ہو۔

(۷) اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ان کے دل کو جو مرکز تصدیق ہے اپنے دست راست سے جانب راست میں آدم کے سینہ میں رکھا جو قدرتی طور پر آدم علیہ السلام کے اعتبار سے جانب یسار میں ہوا تا کہ ہر انسان جب بھی اللہ رب العزت کے سامنے حاضر ہو تو اس کا دل اس کے رب کے جانب یمین میں ہو کما ھو یلیق بشأنہ.

پس دل اگرچہ ہر شخص کے اپنے بائیں پہلو میں ہے لیکن جو انسان جب آمنے سامنے ہوتے ہیں تو ہر ایک کا دل دوسرے کے حق میں دائیں جانب ہوا کرتا ہے اور چونکہ دل مرکز اخلاق وآئینہ محبت ہے "المؤمن مِرآۃُ المؤمن" تو قیمتی ہونے کی وجہ سے سامنے دائیں جانب ہونا چاہئے اور یہی بہتر ہے۔ اس لحاظ سے معانقہ میں ہر شخص اپنی دائیں طرف مائل ہوتا ہے پس باعتبار آخر یہ بھی تیامن کی ایک شکل ہے، واللہ اعلم۔

بحقیقۃ الحال فقط اِن ارید الاّ الاصلاح ما استطعت، وما توفیقی الا باللّٰہ علیم توکلت والیہ انیب. وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین.

اسلام کا نظریۂ تعلیم اور مسلمان

(۲/۲)

از: محمد شمیم اختر قاسمی
ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

جدید علوم وفنون کا بانی اسلام ہی ہے

دنیا میں رائج نظام تعلیم پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یورپ نے آج تک کسی نئے علم وفن کا اضافہ نہیں کیا ہے، بلکہ سارے کے سارے علوم وفنون وہی ہیں جو مسلمانوں کے بتائے ہوئے ہیں۔ زمانے کے تقاضوں کے مطابق اس نے اس میں تخصیص پیدا کرکے اسے ایک نیے نام سے متعارف کرایا اور اسے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ علم قرآن، حدیث، فقہ، میراث، عقائد، کلام، تصوف، اخلاق نفس، بدائع، عجائب، صرف، نحو، لغۃ، اشتقاق، الٰہیات، منطق، ریاضیات، حساب، ہندسہ، مساحۃ، ہیئت، نجوم، رمل، طبیعیات، کیمیا، معدن، طب، فلاحت، معاشیات، عمرانیات، خواب، فال، مقامہ، محاضرات، فروسیہ، بحریات، جمال، ادب، سیرت، سوانح وغیرہ علوم وفنون کے یہ شعبے کیا آج کی پیداوار ہیں اور یہ سب یورپ نے ایجاد کیے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ وہ شعبے ہیں جن کی نشان دہی اسلام نے کی ہے اور قرآن وحدیث میں اس کا تذکرہ کسی نہ کسی صورت میں ہوا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

> ”قرآن مجید میں مختلف علوم ہیں۔ اس میں تاریخ کا بھی ذکر ہے۔ اس میں ان علوم کا بھی ذکر ملتا ہے جنہیں ہم سائنس کا نام دیتے ہیں۔ مثلاً: علم نباتات، علم حیوانات، علم حجر، علم بحر، علم ہیئت، یہاں تک کہ علم جنین کا بھی ذکر ملتا ہے۔ قرآن شریف میں علم جنین کی اتنی مفصل تشریحات آئی ہیں کہ ان کا اس جدید ترین دور تک بھی اثر رہا ہے ﷺ اسی طرح قرآن مجید میں ہمیں سمندری طوفان کا بھی ذکر ملتا ہے۔ جہاز رانی، موتی اور مرجان کا بھی خاصا ذکر ملتا ہے۔“ (۲۷)

انبیاءِ کرام کی سرگزشت سے بھی پتا چلتا ہے کہ وہ لوگ امانت خداوندی کو دوسروں تک

پہنچاتے اوران کے ایمان ویقین کی دنیا کو آلائشوں سے پاک کر کے ان کا رشتہ اللہ سے مضبوط کرنے کی کوشش کرتے تھے، نیز وقت کی ضرورت کے مطابق مختلف علوم وفنون کو ترقی دینے کی کوشش کی، یہاں تک کہ ان میں انہیں تخصص کا درجہ حاصل تھا۔ مستدرک حاکم کی روایت ہے، اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے، حضرت آدم علیہ السلام کاشت کاری کرتے تھے، حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے، حضرت ادریس علیہ السلام سلائی کا کام کرتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کی خدمت انجام دیتے تھے۔

اسلام میں عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ

اسلام نے علم وحکمت کی بات کو کسی کے لیے خاص نہیں کیا ہے، اس کے دروازے سب کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح مردوں کے لیے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے، عورتوں کو بھی اس سے محروم نہیں کیا ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔(۲۸) خود اللہ کے رسول ﷺ کو طبقۂ نسواں کی تعلیم کی بڑی فکر رہتی تھی۔ وقت نکال کر آپ انہیں دین واسلام کی باتیں سکھاتے تھے۔ ایک حدیث سے عورتوں کی علمی دل چسپی اور حضورؐ کی تربیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

”عَنْ اَبِی سَعِیدٍ الخُدرِیِّ قَالَ: قَالَ النِّسَاءُ لِلنَّبِیِّ ﷺ غَلَبنَا عَلَیْكَ الرِّجَالُ فَاجْعَلْ لَنَا یَوماً مِن نَفْسِكَ، فَوَعَدَهُنَّ یَوماً لَقِیَهُنَّ فِیهِ فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ، فَكَانَ فِیما قَالَ لَهُنَّ مَامِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلاثَةً مِنْ وَلَدِهَا اِلّا كَانَ لَهَا حِجَاباً مِنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ، وَاثْنَیْنِ؟ فَقَالَ: وَاثْنَیْنِ.“(۲۹)

(حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ عورتوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا (آپؐ سے مستفید ہونے میں) مرد ہم سے بڑھ گئے ہیں، اس لیے آپؐ اپنی طرف سے ہمارے لیے (بھی) کوئی دن مقرر فرمادیں۔ آپؐ نے ان سے ایک دن کا وعدہ کرلیا۔ اس دن آپؐ عورتوں سے ملے اور انہیں نصیحت فرمائی اور کچھ احکام دیے۔ جو کچھ آپ نے ان سے فرمایا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ جو کوئی عورت تم میں سے (اپنے) تین لڑکے آگے بھیج دے گی (یعنی ان کا انتقال ہوجائے) تو وہ اس کے لیے دوزخ کی آڑ بن جائیں گے۔ اس پر ایک عورت نے کہا اگر دو (لڑکے بھیج دے) آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور دو (کا بھی یہی حکم ہے۔)

جس کسی کو اللہ نے لڑکیوں سے نوازا ہے اور وہ اس کی بہترین تربیت کرکے مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس محنت کے بدلے میں اسے جنت میں داخل کرے گا۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

''مَنْ عَالَ ثَلاثَ بَنَاتٍ، فَادَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ، وَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةَ۔''(۳۰)

(جس کسی نے اپنی تین لڑکیوں کو اچھی تعلیم وتربیت کی اور پھر اچھے طریقے سے اس کو بیاہ دیا تو اس کے عوض اللہ اسے جنت عطا کرے گا۔)

ایک اور حدیث میں اس بشارت کا مستحق اس شخص کو قرار دیا ہے جن کے پاس دولڑکیاں ہیں۔(۳۱) اس طرح کی اور بہت ساری حدیثیں ہیں جن میں عورتوں کی تعلیم کو ضروری قرار دیا ہے اور اس کے لیے تعلیم کا انتظام کرنے کا حکم اللہ کے رسولؐ نے دیا ہے۔

جہاں جہاں علم حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے وہاں مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے، جب مذکر صیغہ بولا جاتا ہے تو اس میں دونوں شامل ہوتے ہیں۔ عربی میں اس کو 'تغلیب' کہا جاتا ہے۔ یعنی غالب چوں کہ مرد ہیں اس لیے ان کو خطاب کیا جاتا ہے۔ مگر طبقہ نسواں بھی اس میں شامل ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کوئی قرآنی آیت نازل ہوتی یا کوئی نیا حکم آتا تو آپؐ پہلے اسے مردوں کی جماعت میں تلاوت فرماتے اور پھر اسے عورتوں کی محفل میں جاکر سناتے۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ:

''اسلامی تاریخ میں یہ ایک اہم واقعہ ہے کہ رسول اللہ کو عورتوں کی تعلیم سے اتنی ہی دل چسپی تھی جتنی مردوں کی تعلیم سے۔''(۳۲)

مسلمانوں کا علمی ذوق

کسی زمانہ میں مسلمان کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ ہروقت اور ہر آن پڑھنے پڑھانے اور تحقیق وتصنیف میں لگے رہتے تھے۔ ان کے اس ذوق کی بدولت دنیا علم سے مالا مال ہوئی۔ انسانی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جن میں مسلمانوں نے اپنی خدمات انجام نہ دی ہوں۔ امام زہری (۵۰ھ-۱۲۴ھ/۶۷۰-۷۴۲ء) بہت بڑے محدث گزرے ہیں۔ حدیث میں ان کا بہت بڑا مقام ہے۔ وہ ہروقت حدیث کی چھان بین اور کتابوں کے مطالعہ میں لگے رہتے تھے۔ مدینہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جاتے، جوان، بوڑھے، عورت، مرد جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشیں عورتوں سے جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور احادیث پوچھتے اور ان کو قلم بند کرتے۔ انہیں اتنا موقع نہیں ملتا تھا کہ کسی اور جانب متوجہ ہوسکیں۔ ان کے شوق علم کو دیکھ کر ان کی بیوی کہا کرتی تھیں کہ خدا کی قسم!

اگر زہری میرے اوپر سو سوکنیں لے آئیں تو وہ میرے اوپر اتنی شاق نہیں ہوں گی جتنی کہ ان کی کتابیں میرے اوپر بوجھ معلوم ہوتی ہیں۔

امام ابن جوزی (۵۰۸-۵۹۷ھ/۱۱۱۴-۱۲۰۱ء) سے کون واقف نہیں ہے۔ پوری زندگی انہوں نے کتابوں کے لکھنے میں گزاردی اور ہزاروں سے زیادہ مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ بعض کتابیں ایسی ہیں جو ضخیم اور کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ اس زمانے میں فاؤنٹین پین کا رواج نہیں تھا، بول پین بھی نہیں تھے، ٹائپنگ مشین بھی نہیں تھی، پورے اور لکڑی کے قلم تھے، جس کو تراش کر لکھا جاتا تھا۔ قلموں کے تراشے کو جمع کرنے کا حکم انہوں نے اپنے خادم کو دے دیا تھا اور تاکید کردی تھی کہ ایک چھلکا بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ وہ اکھٹے کیے جاتے رہے، بالآخر جمع کرتے کرتے کوٹھری بھر گئی۔ ابن جوزی نے وصیت کی کہ میرے انتقال کے بعد میرے غسل کے واسطے پانی اسی اندوختہ تراشے سے گرم کیا جائے۔ ممکن ہے کہ اس کوشش کے طفیل میں اللہ رب العزت میری مغفرت فرمادے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، پھر بھی تراشا بچ گیا۔(۳۳)

ہمارے اسلاف نے زندگی ایسی گزاری کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی وہ ہمارے لیے مثل زندہ کے موجود ہیں اور گھلے ملے ہوئے ہیں۔ یہ اعزاز انہیں کیوں ملا؟ صرف اس لیے کہ انہوں نے دنیا میں علم کو وسعت دی۔ امام ابوحنیفہؒ جن کو گزرے ہوئے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ کا عرصہ ہوگیا۔ مگر دنیا میں ان کا نام اس کثرت سے لیا جاتا ہے کہ کسی زندہ آدمی کا نہیں لیا جاتا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ کا ۲۴ رگھنٹوں میں کتنی بار نام لیا جاتا ہے کوئی اندازہ کرسکتا ہے۔ امام بخاریؒ کا نام ہر وقت طالبان علوم نبوت کی زبانوں پر رہتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ اور دوسرے اکابرین کو لوگ بھلا سکتے ہیں؟ ان کی لکھی ہوئی کتابیں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

بعض علمی اداروں کی بین الاقوامی شہرت

مرور زمانہ کے ساتھ مسلمانوں نے اپنے وطن اور ملک میں تعلیم وتدریس کے بڑے بڑے علمی مراکز قائم کیے۔ یہ مراکز نہ صرف مرکزی حکومت کی توجہ اور دلچسپی کے مرہون منت تھے، بلکہ عام مسلمان بھی نجی طور پر علمی ادارے قائم کرتے تھے۔ ایسے اداروں کی بڑی لمبی فہرست ہے۔ ان میں خاص طور پر دو علمی مراکز نے بڑی شہرت حاصل کی، جن کی چمک دمک سے یورپ بھی منور ہوا۔ عہد عباسی میں علم وفن کی جتنی ترقی ہوئی دنیا اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔ علم وفن کا کون

سا ایسا گوشہ تھا جس میں مسلمان علماء اور حکماء کی گران قدر خدمات نہ رہی ہوں۔ابراہیم عمادی ندوی لکھتے ہیں:

''عہد عباسی جہاں عدل وانصاف،امن وامان،رواداری،رعایا کی خبر گیری اورخوش حالی میں اپنی نظیر آپ تھا،وہیں علوم وفنون اور صنعت وحرفت میں ترقی ہوئی اور تہذیب وتمدن اپنے عروج تک پہنچا۔خلیفہ ہاروں رشید نے ایک عظیم الشان کتب خانہ بغداد میں قائم کیا۔تاریخ شاہد ہے کہ علم ریاضی ،ہندسہ ،الجبرا ،علم ہیئت، معدنیات، طب علم نفس وحیوانات ونباتات،آلات رصد اور صناعی، وغیرہ میں حیرت انگیز کارنامے انجام پذیر ہوے جوآج کی دنیا کا عظیم سرمایہ علم ودانش ہے۔ علوم عقلیہ اور دیگر زبانوں سے واقفیت کا ایک عام چلن طبقہ علم ودانش میں قائم تھا۔سلسلہ تالیف وتراجم سے بغداد میں وراقوں اور کتب فروشوں کی کثرت ہوگئی۔ اقوام عالم سے ذی علم ودانش کھنچ کھنچ کر بغداد آئے اوران کی قدرومنزلت ہوئی۔نہ علوم وفنون کی قدیم کتابوں کے ترجمے کرائے گئے بلکہ ان کتابوں کے پڑھنے کا شوق دلایا۔اس کا نتیجہ تھا کہ عہد عباسی میں علم کا بازار گرم ہوا اور سلطنت حکمت قائم ہوئی۔خلفاءِ عباسی نے وابستگان علم وفن کو اپنا مقرب خاص بنایا اوران کے مناظر وں اور علمی مباحث سے دل چسپی لی۔'' (۳۴)

اندلس کے قرطبہ کی علمی رفعت کوکون بھلاسکتا ہے۔یورپ کو جب اپنی کم مائیگی اور بے وقعتی کا احساس ہواتو اس نے للچائی ہوئی نظر اس پر ڈالی اور یہاں سے علم کے موتی بٹورنے کی جوجدوجہد کی ،جس میں وہ کامیاب ہوا اور پھر اس کی وجہ سے اس نے جوترقی کے منازل طے کیے ہیں وہ سب پر عیاں ہے۔قرطبہ کی علمی مرکزیت اور رفعت کا ذکر کرتے ہوے مصنف مذکور لکھتے ہیں:

''اندلس کی طاقت ورحکومتوں نے جہاں بے شمار جنگیں فرانس سے لڑیں اور اندرونی بغاوتیں فروکیں وہیں ملک میں امن وامان،عدلیہ کو آزادی اور خودمختاری حاصل تھی۔مورخ لکھتے ہیں کہ ''قانون کی ایسی حکم رانی تھی کہ اجنبی تجار سونا اچھالتے ہوے ناقابل گزاشت راستوں سے بے خوف نکل جاتے اورکوئی پوچھتا نہ تھا۔'' تجارت،سائنس وحرفت وحکمت کوایسی بلندیاں حاصل ہوئیں جوچشم فلک نے پھر نہ دیکھیں۔بحری اور بری فوج کی قوت کی دنیا میں کوئی نظیر نہ تھی۔شاہان اندلس جہاں بہادر اور ہوش مند سپاہی تھے جن کی ہیبت پورے یورپ پر طاری تھی

وہیں علم وفن کے شیدائی بھی تھے۔ابن خلدون کے مطابق ’’حکم نے ہسپانیہ کو ایک علمی منڈی بنادیا تھا، تصنیفات پر گراں قدر انعام سے نوازتا‘‘، حکم رانوں میں یک جہتی اور یگانگت کی روح پھونکی اور ہر مذہب وملت کے عالموں اور دانش وروں کو درباروں میں عزت حاصل تھی۔‘‘ (۳۵)

مسلمان سائنس داں اوران کے کارنامے

عہد ماضی میں مسلمانوں نے تمام علوم کو وسعت دینے کی کوشش کی۔اس سے ان کی بڑی نیک نامی ہوئی۔دنیا میں سب سے پہلا جغرافیہ دمشق سے لے کر بغداد تک کا لکھا گیا۔یہ کام عباسی خلیفہ کے حکم سے انجام پایا۔دنیا میں سب سے پہلا تاریخ کا مدون ابن خلدون (۷۳۲-۸۰۸ھ/ ۱۳۳۲-۱۴۰۶ء) تھا۔آج تک اس کا تاریخی مقدمہ سارے مورخین کے لیے نشان راہ بنا ہوا ہے۔ اس سے پہلے دنیا تاریخ کے علم سے ناواقف تھی۔اس میں عربی علوم اور تہذیب کے تمام شعبوں سے بحث کی گئی ہے۔مصنف کے خیالات کی گہرائی، فصاحت بیان اور اصابت رائے کے لحاظ سے یقیناً اپنے زمانے کی سب سے اہم تصنیف ہے اور بہ ظاہر کسی مسلمان کی کوئی بھی تصنیف اس سے سبقت نہیں لے جاسکی۔(۳۶) اس کے مقدمہ کا دنیا کی بیش تر معروف زبان میں ترجمہ ہوا اور صرف اس کے مقدمہ پر لوگ تحقیقی کام کرکے ڈگریاں حاصل کررہے ہیں۔

واسکوڈی گاما ہندوستان آنے کے لیے اپنی کشتی سمندر میں دوڑاتا ہے، مگر اسے راستہ نہیں ملتا اور وہ اس ساحل سے اس ساحل تک بھٹکتا رہتا ہے۔اسی عالم میں اس کی ملاقات ایک عرب جہاز راں احمد بن ماجد سے ہوتی ہے، اس کے بتائے ہوے راستہ پر چل کر وہ ہندوستان پہنچتا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔(۳۷)

آج لوگ کہتے ہیں کہ فضاؤں میں اڑنا اور قلابازی لگانا یہ تمام محیرالعقول کارنامے یورپ نے ایجاد کیے ہیں۔یہ تصور درست نہیں ہے۔یہ کارنامہ صدیوں پہلے عباس ابن فرع نے انجام دیا، جو بربر خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔یہ بہت بڑا سائنس داں تھا۔اس نے اپنی پوری زندگی تجربہ گاہ میں گزاری۔اس کی زندگی کا مشن ہی یہی تھا کہ کسی طرح انسان پرواز کے قابل ہوجائے۔اس نے برسہا برس کی محنت اور تحقیق کے بعد یہ کامیابی حاصل کی کہ انسان پرواز کرسکتا ہے۔چنانچہ اس نے دو برابر وزن کے پنکھ بنائے، پھر تجربہ کیا کہ واقعی میری تحقیق درست ہے کہ نہیں، جب اسے یقین ہوگیا کہ وہ فضاؤں میں اڑسکتا ہے۔تو پھر اس نے خلیفۂ وقت کو دعوت دی کہ وہ فلاں میدان

میں پہنچیں اوراپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ انسان کس طرح اڑسکتا ہے ۔ ان کی اس نئی ایجاد کو دیکھنے کے لیے خلیفہ کے ساتھ ہزاروں لوگ میدان میں جمع ہوئے، جہاں اس نے کافی دور تک فضاؤں میں اڑ کر دکھایا۔اس واقعہ نے سارے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔

ابونصر فارابی (۲۰۷-۳۳۹ھ/۸۲۲-۹۵۰ء) کے متعلق دل چسپ روایت یہ ملتی ہے کہ اسے ارسطو کی ایک کتاب ہاتھ لگی جس کا نام 'کتاب النفس' ہے، اس کا اس نے بار بار مطالعہ کیا اوراس پر مفید حاشیے چڑھائے ،جب اس کا انتقال ہوا تو وہ کتاب لوگوں کے ہاتھ لگی، ابونصر فارابی جیسا محقق، منطقی اور عظیم سائنس داں کتاب کے اوپر لکھ چھوڑا ہے کہ میں نے اس کتاب کا سو مرتبہ مطالعہ کیا ہے۔

ابوبکر محمد بن زکریا رازی (۲۶۷-۳۲۰ھ/۸۴۰-۹۳۲ء) نے دواؤں کے صحیح وزن کے لیے 'میزان طبی' ایجاد کیا۔ 'الکحل' بھی اسی کی ایجاد ہے۔اس نے 'چیچک' جیسی مہلک بیماری پر تحقیق کرکے اس کے علاج کی تفصیل بیان کی، جو اس موضوع پر پہلی کتاب ہے۔عمل جراحی کا کارآمد آلہ بنایا، جس کو 'نشتر' کہتے ۔(۳۸)

ابن سینا (۳۷۰-۴۲۸ھ/۹۸۰-۱۰۳۷ء) پہلا شخص ہے جس نے روشنی کی رفتار کو ثابت کیا۔ 'ورنیر' پیمانے کا موجد بھی یہی ہے۔اس سے چھوٹی چھوٹی چیزوں کو ناپا جاتا تھا۔اس نے فلسفہ کے موضوع پر 'کتاب النجاۃ' لکھی ۔اس کے بعض خیالات پر لوگوں نے بڑا ہنگامہ کیا اور اعتراضات خط میں لکھ کر بھیج دیے۔ابن سینا نے خط پڑھا، عشاء کی نماز کے بعد مصلیٰ پر ہی اس کا جواب لکھنے بیٹھ گیا اوراس کا مفصل جواب (سو صفحات میں) بغیر کسی کتاب کو دیکھے، اپنے حافظہ و مطالعہ کی روشنی میں لکھ دیا، اس کے بعد وہ سویا۔خط لانے والے نے فجر میں دیکھا کہ جواب مصلیٰ کے نیچے رکھا ہوا ہے۔(۳۹)

ان کے علاوہ سیکڑوں حکماء، فلاسفہ اور سائنس داں ہوئے ہیں جنھوں نے علم وفن کے میدان میں کمال وشہرت حاصل کی۔ان کے علمی وسائنسی کارناموں کی یہاں تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی، البتہ کچھ لوگوں کے نام یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ خالد بن یزید، ابواسحاق ابراہیم بن جندب، نوبخت اور فضل بن نوبخت، ماشاء اللہ، جابر بن حیان، احمد عبداللہ حبش حاسب، عبدالمالک اصمعی، بنوموسیٰ شاکر، عطارد الکاتب، حکیم یحییٰ منصور، حجاج بن یوسف، عباس بن سعید الجوہری، خالد بن عبدالملک المروزی، محمد بن موسیٰ خوارزمی، احمد بن موسیٰ شاکر، ابوعباس احمد بن کثیر فرغانی، ابوطیب سند بن علی، علی بن عیسیٰ اصطرلابی، ابوالحسن علی بن سہل، ابوجعفر محمد بن موسیٰ شاکر، ابویوسف

یعقوب بن اسحاق، حسن بن موسیٰ شاکر، ثابت بن قرہ حرانی، جابر بن سنان حرانی، ابوعبداللہ محمد بن جابرالبنانی، سنان بن ثابت حرانی، ابومنصور موفق بن علی ہروی، عریب بن سعد الکاتب، ابوعبداللہ محمد بن احمد خوارزمی، حکیم ابومحمد العدلی القاینی، ابوالقاسم عمار موصلی، ابوالقاسم مسلمہ بن مجریطی، ابوالقاسم ابن عباس زہراوی، ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن یونس صوفی، ابوالوفا محمد بن احمد بوزجانی، ابوعلی حسن بن الہیثم، احمد بن محمد سجستانی، ابوالحسن علی احمد نسوی علی بن عیسی، احمد بن محمد علی مسکویہ، ابوریحان محمد بن احمد البیرونی، ابوحاتم مظفر اسفرازی، امام محمد بن احمد غزالی، ابوالفتح عمر بن ابراہیم خیام، ہبۃ اللہ ابوالبرکات بغدادی، ابوعبداللہ الشریف محمد بن الادریسی، علاء الدین ابوالحسن، لسان الدین بن الخطیب، الکندی اور ابن رشد وغیرہ کے کارناموں سے دنیا واقف ہے۔ (۴۰)

جدید نظام تعلیم کے بعض نقائص

علوم وفنون کے میدان میں یورپ نے جو ترقی کی ہے اور اس نے جونئی ایجادات دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس سے بڑی آسانیاں ہوگئی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ بہت سی پریشانیاں بھی لاحق ہوئی ہیں، وہ صرف اس وجہ سے کہ اس نے تہذیبی قدروں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اچھی چیزوں کو حاصل کریں اور اپنے تجربات و مشاہدات اور علم کی روشنی میں ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ یورپ نے جو کچھ بھی کیا ہے اور کر رہا ہے اسے اس نے مسلمانوں سے سیکھا ہے، اسلام سے سیکھا ہے۔ اسے مسلمانوں کے علم کی اہمیت وافادیت کا پوری طرح اندازہ تھا، اس لیے اس نے طویل مدت تک اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی، اس کے بعد اسے یہ مقام ملا۔ علم پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، علم وحکمت کی بات تو سیکھنے ہی کی چیز ہے۔

ہمارے معاشرے میں پڑھے لکھے لوگوں کی بڑی تعداد ہے۔ دینی تعلیم سے جڑے لوگ بھی ہیں اور خالص عصری علوم سے آراستہ افراد بھی ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو کم وبیش دونوں طرح کے علوم کے حامل ہیں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ دن بہ دن دینی تعلیم کا مزاج ورجحان کم ہوتا جارہا ہے۔ جو لوگ عصری تعلیم سے جڑے ہوے ہیں، ان میں سے بیش تر دینی تعلیم سے وابستہ لوگوں کو جاہل محض سمجھتے ہیں اور ان پر طرح طرح کی تنقید کرتے رہتے ہیں اور یہ باور کراتے ہیں کہ مدارس میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اس کا کوئی حاصل نہیں، ان کی تدریس بند کردینی چاہیے اور انہیں وہ چیز پڑھائی جانی چاہیے جس کی فی زمانہ شدید ضرورت ہے اور جس کو پڑھ کر آدمی ڈھیر ساری دولت حاصل کرسکتا ہے۔ تعلیم کا مقصد روپیہ اور جاہ ومنصب حاصل کرنا ہرگز نہیں ہے۔ اس کے

ذریعے رضائے الٰہی حاصل کرنا اصل مقصد ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

”مَنْ تَعَلَّمَ عِلماً، مَمَّا یُبْتَغی بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ، لا یَتَعَلَّمُهُ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِهِ عَرَضاً مِنَ الدُّنْیَا، لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، یَعْنِی رِیْحَهَا.“(۴۱)

(جو شخص اس علم کو جس کے ذریعے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے، اس غرض سے حاصل کرتا ہے کہ اس سے کوئی دنیوی غرض حاصل کرے، تو قیامت کے دن ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔)

دینی تعلیم سے وابستہ لوگوں کو وہ دولت حاصل ہے، جس سے دین و دنیا دونوں آباد ہے۔ مغربی مزاج میں ڈھل کر دنیا چاہے کچھ بھی کہے اس سے بہتر کوئی تعلیم اور نظام تعلیم ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر یہی صورت حال رہی، دینی تعلیم سے لوگ بے گانہ ہوتے گئے تو ایسے ہی حالات کے لیے اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے:

”قالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ یُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَیَثْبُتَ الْجِهْلُ، وَیُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَیَظْهَرَ الزِّنَا.“(۴۲)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا اور جہل (اس کی جگہ) قائم ہو جائے گا اور (علانیہ) شراب پی جائے گی اور زنا پھیل جائے گا۔)

آج کی معروف اصطلاح میں اس وقت مسلمانوں میں بھی بڑے بڑے مفکر، معلم، سماجی وسیاسی رہنما، دانش ور، فلاسفہ، حکماء اور سائنس داں موجود ہیں۔ ایسے لوگ آئندہ بھی پیدا ہوتے رہیں گے۔ ان سے ملک وملت کو جو فائدہ ہو رہا ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے، مگر کیا وہ اسلام کے نمائندے ہیں؟ مسلمان جس طرح کی تعلیم حاصل کریں اور ترقی کر کے آسمان کی بلندیوں کو چھو لیں، اگر ان کے ذریعہ اسلام کی نمائندگی نہیں ہوتی تو ایسی تعلیم پر فخر کرنا اور اسے بڑھاوا دینا بے معنی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو خیر امت کے اعزاز سے نوازا ہے، اس کا حق اسی وقت ادا ہوگا جب اس کے تقاضوں کو کما حقہ پورا کیا جائے:

”کُنْتُمْ خَیْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ.“ (آل عمران:۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو، لوگوں کے درمیان اس لیے بھیجی گئی ہو کہ انہیں نیکی کا حکم دو اور برائیوں سے روکو اور اللہ پر ایمان رکھو۔)

کمال پیدا کرنے کے لیے محنت شرط ہے

عہد نبوی ﷺ میں بعض صحابۂ کرام غربت وافلاس کی بنا پر بھیک مانگنے پر مجبور تھے، مگر اللہ کے رسولؐ نے انہیں ایسا کرنے نہیں دیا، ان کے لیے کسب معاش کے مواقع فراہم کیے۔ کھیتی باڑی اور محنت ومزدوری کرنے کا حکم دیا اور اس کے لیے سامان مہیا کیے۔ ایک صحابی کو اپنے ہاتھ سے کلہاڑی تیار کرکے دی اور کہا جنگل میں جاؤ، لکڑیاں کاٹو اور اسے فروخت کرو، تاکہ تمہاری غربت دور ہو۔ اللہ نے ان کی محنت کو بارآور کیا اور چند دنوں میں ہی وہ صاحب مال ہوگئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

”اَنَّ رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ اَتی النَّبیَّ ﷺ یَسْأَلُہُ ،فَقَالَ: اَمَا فِیْ بَیْتِکَ شَیٌٔ؟ قَالَ: بَلٰی حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَہُ وَنَبْسُطُ بَعْضَہُ، وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِیْہِ مِنَ الْمَاءِ. قَال: اِئْتِنِی بِھِمَا، قَالَ: فَاَتَاہُ بِھِمَا. فَاَخَذَھُمَا رَسُوْلُ اللّٰہِؐ بِیَدِہ، وَقَالَ: مَنْ یَشْتَرِی ھٰذَیْنِ؟ قَالَ: رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُ ھُمَا بِدِرْھَمٍ، قَالَ: مَن یَزِیْدُ عَلٰی دِرْھَمٍ؟ مَرَّتَیْنِ اَوْثَلاثاً. قَالَ رَجُلٌ: اَنَا اٰخُذُھُمَا بِدِرْھَمَیْنِ فَاَعْطَاھُمَا اِیَّاہُ وَاَخَذَ الدِّرْھَمَیْنِ فَاعْطَا ھُمَا الاَنصارِیَّ، وَقَال: اشتَرِ بِاَحُدِھِمَا طَعَاماً فَانْبِذْہُ اِلیٰ اَھْلِکَ وَاشْتَرِبِالآخَرِ قُدُومافَاْتِنِی بِہ، فَاَتَاہُ بِہ فَشَدَّ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ عُوْداً بِیَدِہِ ثُمَّ قَالَ لَہ: اِذْھَبْ فَاَحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا اَرَیَنَّکَ خَمْسَۃَ عَشَرَ یوماً، فَذَھَبَ الرَّجُلُ یَحْتَطِبُ وَیَبِیْعُ فَجَاءَ وَقَدْ اَصَابَ عَشَرَۃَ دَرَاھِمَ فَاشْتَرَی بِبَعْضِھَا ثَوباً وَبِبَعْضِھَا طَعَاماً، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ: ھٰذَا خَیْرٌ لَکَ مِنْ اَنْ تَجِیَٔ الْمَسأَ لَۃُ نُکْبَتَۃً فِی وَجْھِکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ.“ (۴۳)

(قبیلہ انصاری میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس سوال کرنے کو آیا۔ آپؐ نے پوچھا تیرے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ وہ بولا کیوں نہیں، ایک کمبل ہے، کچھ حصہ اس میں سے اوڑھتے ہیں اور کچھ بچھاتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اسے لے کر آؤ۔ وہ گیا اور لے آیا۔ آپ نے دونوں کو لیا اور فرمایا: کون خریدتا ہے ان دونوں چیزوں کو؟ ایک شخص نے کہا کہ میں اسے ایک درہم کے عوض خریدتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس سے زیادہ اور کون دے گا؟ دو یا تین مرتبہ ایسا ہی فرمایا۔ دوسرے نے کہا میں دو درہم میں اسے لینا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے دونوں چیزیں اسے دے دیں اور دو درہم اس سے لے لیے۔ صاحب سامان کو دونوں درہم دے کر فرمایا: ایک درہم کا اناج خرید لو اور اپنے گھر میں رکھ دو اور ایک

درہم سے کلہاڑی لے کر آؤ (خریدلو)۔ وہ کلہاڑی لے کر آیا، آپ نے اس کا دستہ اپنے ہاتھوں سے لگایا اور فرمایا: اسے لے کر جنگل میں جاؤ، لکڑیاں کاٹو اور اسے فروخت کرو۔ پندرہ دن تک میں تجھے یہاں نہ دیکھوں۔ وہ شخص گیا اور لکڑیاں کاٹتا اور اسے بیچتا رہا۔ پھر وہ آیا، اس طرح اس نے دس درہم کما لیے۔ کچھ درہموں کا اس نے کپڑا خریدا اور کچھ داموں کا غلہ۔ آپؐ نے فرمایا: تیرے لیے یہ بہتر ہے اس سے کہ سوال کا تیرے منھ میں ایک داغ ہو قیامت کے دن۔)

اسی حضرت سعد انصاریؓ ایک دن حضورؐ کی خدمت میں آئے اور سلام علیک کر کے مصافحہ کیا۔ آپؐ نے ان کے ہاتھوں کی کیفیت کو محسوس کرلیا، دیکھا تو اس کا سبب پوچھا؟ حضرت سعدؓ نے فرمایا:

”یا رَسُول اللّٰه ﷺ، اضْرب بِالْمَرِّ وَالمِسْحَاة فَأُنفقه علی عَيَالِی، فَقبَّل يَدَه رسول اللّٰهؐ، وَقَال: هٰذِه يَد لَاتَمَسَّهَا النَّار.“ (۴۴)

(اللہ کے رسولؐ بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے دن بھر کسلہ بیلچہ چلاتا ہوں، اس کے نتیجے میں میرے ہاتھوں کا یہ حال ہوگیا ہے۔ حضورؐ نے ان کے ہاتھوں کو چوم لیا اور فرمایا ان ہاتھوں پر جہنم کی آگ حرام ہے۔)

کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے حرکت اور محنت شرط ہے بغیر اس کے کھانا بھی منھ میں نہیں پہنچتا۔ حضرت مریم بے بسی کے عالم میں ایک کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی بھوک اور پیاس سے تڑپ رہی ہیں۔ اللہ چاہتا تو کھجور سیدھا ان کے منھ میں ٹپکا دیتا، مگر ایسا نہیں کیا۔ مریم سے کہا اپنے ہاتھ پاؤں کو حرکت دو اور اپنی محنت سے اپنی خوراک حاصل کرو۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو اس انداز میں بیان کیا:

”قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيّاً. وَهُزِّیْ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَباً جَنِيّاً. فَكُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَيْناً.“ (مریم:۲۴-۲۶)

(غم نہ کر (اے مریم) تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور تو اس درخت کے تنے کو ہلا، تر و تازہ کھجوریں گریں گی، اسے اٹھا کر کھا اور پانی پی کر آنکھیں ٹھنڈی کر۔)

غور کیجیے حضرت موسیٰؑ کا فرعون تعاقب کر رہا ہے۔ اللہ کا برگزیدہ نبی اس کے شر سے بچنے کے لیے بھاگ رہا ہے، دریا کے کنارے پر جا کر راستہ بند نظر آتا ہے۔ عجب نہیں کہ فوج آ کر گرفتار

کرلے۔ اللہ چاہتا تو اپنی حکمت سے پانی کے درمیان فوراً راستہ بنادیتا اور وہ بہ آسانی اس سے پار ہوجاتے، مگر ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ موسیٰ سے کہا تم اپنے عصا کو پانی کی سطح پر مارو۔ عصا مارتے ہی راستہ بن گیا اور وہ اس کے ظلم سے بچ گئے۔ (۴۵)

خواتین اسلام کی ناقابل فراموش خدمات

اسی شوق وجذبہ کا نتیجہ ہے کہ عہد نبوی میں کئی خواتین نے علمی میدان میں اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا۔ کسی نے تجارت ومعیشت میں شہرت حاصل کی تو کسی نے طب وجراحت میں مہارت پیدا کی تو کچھ نے دوسرے ضروری امور انجام دیے۔ ام المومنین ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ نے علوم نبوی کی اشاعت میں جو خدمت انجام دی ہیں اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو تو فقیہ وقت کا درجہ ملا ہوا تھا، ان کی وجہ سے بہت سے پیچیدہ مسائل کا حل نکل کر سامنے آیا۔

امام ربیعہ رائےؒ جو امام مالکؒ کے برگزیدہ استاد ہیں، مادر شکم ہی میں تھے کہ ان کے والد خلیفہ وقت کے حکم سے جہاد میں چلے گئے۔ جاتے وقت انہوں نے ایک بڑی رقم گھر کا خرچ چلانے کے لیے بیوی کو دی۔ ستائیس سال بعد وہ گھر لوٹے، دروازے پر دستک دی، ربیعہ نکل کر آئے۔ ابوعبدالرحمٰن فروخ گھر میں داخل ہونا چاہتے تھے، انجان سمجھ کر اور مصلح دیکھ کر ربیعہ گھر میں داخل ہونے نہیں دے رہے تھے۔ دونوں اپنا اپنا گھر کہہ کر حق جتانے لگے۔ سخت مزاحمت ہوئی اور لوگوں کی بھیڑ جمع ہوگئی۔ اسی اثنا میں ان کی والدہ اندر سے نکل کر آئیں، دونوں کا تعارف کرایا اور دونوں کو اندر لے کر آئیں۔ کچھ دن بعد فروخ نے بیوی کو دی ہوئی رقم کا حساب مانگا۔ بیوی نے کہا جلدی کیا ہے، پائی پائی کا حساب دے دوں گی۔ ایک دن امام ربیعہ رائے مسجد نبوی میں درس دے رہے تھے، طالبان علم کا بڑا حلقہ لگا ہوا تھا۔ فروخ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے گئے، نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک آدمی ہے جو درس دے رہا ہے اور حاضرین بڑی توجہ سے ان کی باتوں کو سن رہے ہیں، چوں کہ کافی دور تک استفادہ کرنے والے بیٹھے ہوئے تھے، دوری کی وجہ سے ربیعہ کا چہرہ دیکھنے میں نہیں آتا تھا، لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون آدمی درس دے رہا ہے جس کے درس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے۔ بتانے والے نے بتایا یہ ربیعہ بن عبدالرحمٰن فروخ ہیں۔ سنتے ہی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ بیوی کے پاس آئے اور کہا میرا بیٹا اتنا بڑا عالم اور اس لائق کہ لوگوں کی بھیڑ اس کے گرد جمع ہے۔ اب بیوی نے کہا تیس ہزار دینار چاہیے، یا اپنے بیٹے کی زندگی، انہوں کہا: نہیں یہ۔ بیوی نے کہا وہ ساری رقم میں نے اس کی تعلیم وتربیت پر صرف کردی۔ اس پر عبدالرحمٰن نے کہا

بے شک تو نے اس رقم کو ضائع نہیں کیا، میری کمائی بڑی کام کی نکلی۔ (۴۶)

تاریخ میں ایسی بہت سی خواتین ہیں جن کے ذریعہ علم وعمل کے چشمے ابلے اور بڑی تعداد میں لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا تھا۔ ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کئی عورتوں سے علم حاصل کیا اور میں ان کا شاگرد ہوں۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ میں نے جو مختلف علوم حاصل کیے ان کے حاصل کرنے میں عورتیں بھی میری اساتذہ رہی ہیں۔ حضرت رابعہ بصریؒ کے دامن فیض سے نہ معلوم کتنے لوگوں نے سیرابی حاصل کی۔ انھوں نے زہد وتقوی اور توکل کی جو مثال قائم کی ہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ امام شافعیؒ کو فقہ میں بڑا اونچا مقام حاصل ہے، انھوں نے بھی عورتوں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ہندوستان کے مسلم دور حکومت میں عورتوں نے علمی میدان میں بڑی شہرت حاصل کی اور ان کی دل چسپی سے یہاں کئی علمی مراکز قائم ہوے۔ رضیہ سلطانہ کے عہد میں دو مدرسے عورتوں کی تعلیم کے لیے دہلی میں قائم تھے۔ مدرسہ خیرالمنازل، ماہم بیگم، مدرسہ بیکا بیگم، مدرسہ اکبری بیگم، مدرسہ فتح پور بیگم، مدرسہ جہاں آرا بیگم، مدرسہ حیات النسا، مدرسہ والدہ غازی الدین خان، مدرسہ راجی بیگم کو کس نے قائم کیا؟ عورتوں نے۔ مکہ مکرمہ میں جو مدرسہ صولتیہ چل رہا ہے وہ ایک خاتون صولت النسا بیگم کلکتہ کا بنوایا ہوا ہے۔

مادہ پرستانہ تعلیمی نظام نے عورتوں کو کیا دیا؟

آج مسلم لڑکیاں بڑی تعداد میں تعلیم سے جڑی ہوئی ہیں مگر ان کی تعلیم سے معاشرہ کو کیا مل رہا ہے؟ ہم نے تعلیم میں افراط وتفریط سے کام لینا شروع کردیا ہے اسلام کے بتائے ہوے طریقے پر ہم انھیں تعلیم نہیں دے رہے ہیں۔ اس لیے تعلیم کے نام پر بے حیائی دن بہ دن عام ہوتی جارہی ہے اور برائیاں اپنی بنیادیں مستحکم کررہی ہیں۔ بعض پیشہ ورانہ علم حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں اور نہ اسلام اس سے منع کرتا ہے، مگر یہ کام انجام دیتے وقت ان کے پیش نظر اللہ اور اس کے رسول کے احکام بھی ہونے چاہئیں۔ عصری اداروں میں کلچرل پروگرام کے تحت جو حیا، سوز کردار لڑکیاں پیش کرتی ہیں، کیا یہی تعلیم اور تہذیب اسلام کو مطلوب ومحمود ہے؟ مادہ پرستانہ ذہنیت کا یہ کیسا انصاف ہے کہ عورتوں کو گھروں کی زینت بننے کے بجائے محفلوں کی رونق بنادے اور یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ بچوں کی پرورش وپرداخت کی عظیم ذمہ داری ادا کرنے کے ساتھ انھیں معاشی تگ ودو کے لیے مجبور کردیں؟ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے، اسے باہر نکالیں گے تو یقیناً اس کے برے نتائج برآمد ہوں گے۔ ہمارے اندر یہ داعیہ بھی ہونا چاہیے کہ جس طرح

ہم ان کے لیے عصری تعلیم میں اعلی سے اعلیٰ ڈگری کے حصول کے خواہاں ہیں، تو اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ہم ان کے لیے دین کی تعلیم کا بھی بہتر نظم کریں۔

مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ

گزشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں انہیں حاصل کر کے آج دیگر قومیں کہاں سے کہاں نکل گئیں۔ مگر مسلمان اس سے بے توجہ ہوتے جارہے ہیں۔ اگر مسلمان ہی علم سے دور رہیں گے تو اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔ آج علم کا زمانہ ہے، علم بہت سستا اور عام ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کے پاس بھی اس کے حصول کے بہتر ذرائع موجود ہیں۔ کیا آج دوسرے لوگوں کے یہاں غربت نہیں ہے، وہاں افلاس نہیں پایا جاتا، باوجود اس کے وہ اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے اسکولوں اور کالجوں میں بھیجتے ہیں۔ ہمارے یہاں اس پر عمل کم کیا جاتا ہے۔ نہ دینی مدرسوں میں بھیجتے ہیں اور نہ عصری درس گاہوں میں۔ ہمارے اکابر چاند کی دھندلی اور چراغوں کی ٹمٹماتی روشنی میں رات رات بھر جاگ کر پڑھتے تھے۔ اس محنت اور خلوص کے نتیجے میں اللہ نے ان کے مقام کو بلند کیا اور وہ ہمارے لیے نمونہ بنے۔ اللہ کے رسول ؐ نے علم کی جو تحریک چلائی اس سے ساری دنیا نے روشنی حاصل کی۔ لیکن مسلمان اپنے نبی ؐ کی تعلیمات سے بے گانہ ہوتے جارہے ہیں۔ یہ بدنصیبی کی بات ہے۔

مآخذ ومراجع

(۲۷) ایضاً ص: ۳۱۸-۳۱۹

(۲۸) سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب ماجاء فی فضل العلماء والحث علی طلب العلم۔ علامہ البانی نے حدیث کے اس حصہ کو صحیح کہا ہے۔

(۲۹) الصحیح البخاری، کتاب العلم، باب یجعل للنساء یوما علی حدۃ فی العلم، کتاب الاعتصام، باب تعلیم النبی ؐ، کتاب الجنائز، باب فضل من مات لہ ولد فاحتسب

(۳۰) سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامی۔ البانی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

(۳۱) سنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب برالوالدین والاحسان الی البنات۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

(۳۲) خطبات بھاول پور، ص: ۲۸

(۳۳) سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو، ۱۹۹۶ء، ج: ۱، ص: ۲۲۶، بحوالہ: ابن خلکان، ج: ۳، ص: ۳۲۱

(۳۴) مسلمان سائنس داں اور ان کی خدمات، ص: ۳۱۸-۳۱۹

(۳۵) ایضاً، ص: ۲۹۷

(۳۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہو، ۱۹۸۰ء، ج: ۱، ص: ۵۰۶

(۳۷) سید سلیمان ندوی، عربوں کی جہاز رانی، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ، ۲۰۰۰ء ص:۸۶

(۳۸) مسلمان سائنس داں اوران کی خدمات، ص:۳۰-۴۷

(۳۹) مسلمان سائنس داں اوران کی خدمات، ص:۱۹۰-۱۹۱

(۴۰) تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: مسلمان سائنس داں اوران کی خدمات

(۴۱) سنن ابوداؤد، کتاب العلم، باب فی طلب العلم لغیر اللہ۔ سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب الانتفاع بالعلم والعمل۔ مسند احمد، ج:۲،ص:۳۳۸۔ البانی نے اس حدیث کوصحیح کہا ہے۔

(۴۲) الصحیح البخاری، کتاب العلم، باب رفع العلم وظہور الجہل، کتاب النکاح، باب یقل الرجال ویکثر النساء، کتاب الاشربہ، باب قول اللہ تعالیٰ انما الخمر والمیسر والانصاب، کتاب الحدود، باب اثم الزنا وقول اللہ تعالیٰ

(۴۳) سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب ماتجوز فیہ المسألۃ۔ مسند احمد، ج:۳،ص:۱۱۴۔ علامہ البانی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ضعیف کہا ہے۔

(۴۴) عزالدین بن الاثیر ابی الحسن بن محمد الجزری، اسد الغابہ فی تمیز صحابہ، دارلشعب، ج:۲،ص:۳۳۷۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمیز صحابہ، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۴ء، ج:۱،ص:۱۸۷، بحوالہ ابن الجوزی فی منتظم، ج:۲،ص:۲۵۱

(۴۵) حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ندوۃ المصنّفین، دہلی، ۱۹۸۷ء، ج:۱،ص:۴۵۷

(۴۶) جمال الدین ابی الفرج عبدالرحمٰن، صفۃ الصفوۃ، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، حیدرآباد، ۱۹۶۹ء، ج:۲،ص:۸۴

❁ ❁ ❁

درسِ ختمِ بخاری شریف

(۳)

افادات: مفتی عمر فاروق لوہاروی
شیخ الحدیث دارالعلوم لندن- یوکے
ترتیب: الیاس لوہاروی (جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل)

ایک اشکال اوراس کا جواب

تینوں اقوال پر ایک اشکال ہوتا ہے، کہ آدمی کا اپنا گوشت پوست کا ایک وزن ہوتا ہے، صحائف کا اپنے جرم وضخامت اور حجم کے اعتبار سے ایک وزن ہوتا ہے، تو صاحب عمل یا صحائف کے تولے جانے سے اگرکوئی پلڑا وزنی ہوگیا، یا ہلکا رہ گیا، تو یہ کیسے ثابت ہوگا، کہ اس کی حسنات کی وجہ سے پلڑا وزنی ہوگیا، یا اس کی سیئات کی وجہ سے پلڑا ہلکا رہ گیا؟ اسی طرح خود اعمال کے وزن کی صورت بھی اشکال سے خالی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے، کہ صاحب عمل کے تولے جانے کی صورت میں اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے انسان ہلکے اور بھاری ہوں گے، حسنات والوں کا وزن زیادہ ہوگا، اور سیئات والوں کا وزن ہلکا ہوگا۔ صحائف اعمال کے وزن کی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ حسنات والے صحیفوں کو وزنی کردیں گے، اور سیئات والے کو ہلکا کردیں گے۔ اعمال کے موزون ہونے کی صورت میں بھی یہی بات ہوگی، کہ جیسا عمل ہوگا، اسی اعتبار سے اس میں بھاری یا ہلکا ہونے کی تاثیر ہوگی۔ آپ اگر ایک برتن میں ٹھنڈا پانی بھرکر وزن کریں، تو وزن اور ہوگا، اور اسی میں گرم پانی بھرکر وزن کریں، تو اور وزن ہوگا۔ اسی طرح اگر عام میزان اور اسکیل (Scale) کے اعتبار سے ہم وزن انسانوں کا قیامت کی میزان میں نیکی اور بدی کے اعتبار سے وزن الگ الگ ہوجائے، یا نیکیوں اور بدیوں کے صحائف کا وزن الگ الگ ہوجائے، یا خود عمل کا وزن الگ الگ ہوجائے، کہ نیک عمل وزن دار ہو، اور بدی کے بے وزن ہو، تو کیا تعجب ہے۔ ویسے ان معاملات کی پوری حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

اقوالِ مذکورہ میں تطبیق

قیامت کے دن وزن ہونے والی چیز کیا ہے؟ اس میں تین اقوال ذکر کیے گئے۔ بعض علماء نے ان اقوال میں تطبیق دی ہے۔ ہم دو تطبیق نقل کرتے ہیں:

(۱) علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے ”بحر الکلام“ میں بعض علماء کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، کہ اعمال کے ساتھ صاحب اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ میرے نزدیک صورت یہ ہوگی، کہ اعمال کو جسم عطا کیا جائے گا، اور صاحب عمل کو اس کے اعمال حسنہ کے ساتھ ایک پلڑے میں رکھا جائے گا، یا صاحب عمل کو صحائف حسنات کے ساتھ ایک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ دونوں کا مآل ایک ہی ہے۔

(۲) حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ ایک مرتبہ اعمال کا وزن ہوگا، دوسری مرتبہ صحائف کا وزن ہوگا، اور تیسری دفعہ صاحب عمل کا وزن ہوگا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہم فرماتے ہیں، کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تطبیق طفل تسلّی سے زیادہ کچھ نہیں، کیوں کہ جب اس قول کا مقصد اِقامۃ العدل ہے، اور ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے عدل کو ظاہر کردیا، تو بار بار اس کے اظہار کی کیا ضرورت ہے؟

اقوالِ مذکورہ میں ترجیحی صورت

اقوالِ ثلثہ میں سے قولِ اوّل کہ صاحب عمل کا وزن ہوگا، اس کی دلیل میں دو حدیثیں پیش کی گئیں، لیکن وہ مؤول ہیں۔ پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے، کہ کافر اپنے کفر کی وجہ سے بے قدر ہوگا، اور کفر کے ہوتے ہوئے اس کے کسی بھی حَسَنہ کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے، کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ایمان و خلوص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسی قدر و منزلت رکھتے ہیں، کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو سفر کیے ہیں، اگر ان کو مجسّم کردیا جائے، تو میزان میں جبل اُحد سے زیادہ وزنی ہوجائیں گے۔

اب کُل دو ہی قول رہ جاتے ہیں: (۱) صحائف اعمال کا وزن ہوگا۔ اور (۲) اعمال کا وزن ہوگا۔ ان دونوں میں سے اگر صحائف کے وزن کے قول کو ہم اختیار کریں، تو کہہ سکتے ہیں، کہ

صحائف کے ضمن میں اعمال تولے جائیں گے، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں، لیکن اس صورت میں "حديث البطاقة" کو اصل ماننا اور صحیحین کی روایات کو اس پر محمول کرنا لازم آئے گا۔ اور اگر ہم یہ اختیار کریں، کہ اعمال کا وزن ہوگا، تو کہا جائے گا، کہ صحائف اعمال کی روایت کلمہ کی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے تمثیل ہے، اس سے کلمہ کی عظمت کی طرف توجہ دلانا ہے، یا تو یہ کوئی استثنائی شکل ہے، اور مقصد یہ ہے، کہ لوگ ایمان کو اور توحید ورسال کے اقرار کو سمجھ لیں، کہ کتنا طاقتور ہے!!! اور درود شریف والی روایت ثبوتِ صحت کی تقدیر پر درود شریف کی عظمت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہے، یا اس سے قیامت کے دن سب کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے اظہار میں مبالغہ مقصود ہے۔

ان دونوں اقوال میں راجح یہی ہے، کہ خود اعمال کا وزن ہوگا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا۔

اعمال کا تو خارجی کوئی وجود نہیں، وہ تو اعراض ہیں، ان کا وزن کس طرح ہوگا؟ اس پر کلام پہلے ہو چکا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "وأن أعمال بنی ادم وقولهم يوزن" سے اس طرف بھی اشارہ فرمادیا، کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن ہوگا، اعمال کی گنتی نہیں ہوگی۔ اور عمل میں وزن "اخلاص" سے پیدا ہوگا، جس کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ شروع کتاب میں پہلی حدیث میں اشارہ کر چکے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، کہ صبح کو جب اٹھو، تو ایک مرتبہ یہ نیت کرلو، کہ اے اللہ! سارا دن جو عمل کروں گا، وہ آپ کو راضی کرنے کے لیے کروں گا۔ اور ظاہر ہے، کہ جب ایک مرتبہ نیت کرلی جائے، تو جب تک اس کے مُعارض نیت نہ آجائے، وہ نیت قائم رہتی ہے، لہٰذا جب صبح کو نیت کرلی، تو وہ شام تک کے اعمال کے لیے کافی رہے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ، بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی نیت نہ پائی جائے۔ ہاں! ہر موقع پر اگر نیت کا استحضار کرلیا جائے، تو زیادہ بہتر ہے۔ عمل میں وزن پیدا کرنے والی دوسری چیز "اتباعِ سنت" ہے؛ بلکہ یہی اصل الاصول ہے، چناں چہ "تفسیر قرطبی" میں منقول ہے: لايقبلُ اللهُ قولاً الاّ بعمل، ولا يقبلُ قولاً وعملاً الاّ بِنية، ولا يقبلُ قولاً وعملاً ونيةً الاّ بِاصابةِ السنة. "اللہ تعالیٰ کسی قول کو بغیر عمل کے اور کسی قول وعمل کو بغیر نیت کے اور کسی قول وعمل اور نیت کو بغیر مطابقتِ سنت کے قبول نہیں کرتے۔" بندہ کہتا ہے، کہ

اس کو امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے طور پر پیش کیا ہے، لیکن اس کا رفع ضعیف ہے۔ درحقیقت یہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جیسا کہ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاسعاف فی تخریج احادیث الکشاف" میں اختیار کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقولھم

اکثر رُواۃ کے یہاں "وقولھم" اسی طرح بصیغۂ مفرد ہے۔ ابوالحسن قابسی اور ایک جماعت کی روایت میں "واقوالھم" بصیغۂ جمع ہے۔ اس صورت میں "اعمال" بصیغۂ جمع کی مناسبت یا عاملین کا تعدد ملحوظ ہے۔ اور "قولھم" بصیغۂ مفرد کی صورت میں کہا جاسکتا ہے، کہ قول کا مصدر ایک ہے، وہ صرف زبان سے صادر ہوتا ہے، اس اعتبار سے قول مفرد لایا گیا۔ اور عمل کا صدور ہاتھ، پیر وغیرہ کئی اعضاء سے ہوتا ہے، تو عمل کے مصادر کے تعدد کی وجہ سے "اعمال" بصیغۂ جمع لایا گیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "وان اعمال بنی آدم یوزن" پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے "وقولھم" کا اضافہ اس لیے کیا ہے، کہ حدیث الباب میں دو کلمے کے ثقیل ہونے کی تصریح ہے، اس سے ان کا تولا جانا معلوم ہوتا ہے، اور کلام زبان کا عمل ہے۔ جب انسان کے بعض اعضاء کے عمل کا تولنا ثابت ہوگیا، تو اسی سے سارے اعضاء کے عمل کے تولنے کا ثبوت ہوگیا، لیکن عرف میں چوں کہ کلام کو عمل نہیں کہتے، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وجہِ استدلال کی طرف اشارہ کرنے کے لیے "وان اعمال بنی آدم" کے بعد "وقولھم" کا لفظ بڑھادیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جاتے جاتے ہمیں اور آپ کو یہ پیغام دے رہے ہیں، کہ اپنے ہر ہر قول وفعل میں یہ دیکھیں، کہ جو کام کرنے جارہے ہیں، آیا وہ عمل اپنے اندر کوئی وزن رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر وزن رکھتا ہے، تو وہ کام کریں۔ اور اگر بے وزن ہے، تو اس سے احتراز کریں۔ جب زبان استعمال کرنے لگیں، تو سوچیں، کہ منھ سے جو بات بھی نکلے گی، وہ قیامت کے دن تولی جائے گی، لہٰذا دنیا میں زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ تُلا ہوا ہونا چاہیے۔ ناحق کسی پر الزام تراشی اور بہتان بازی سے اجتناب کریں۔ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ "جب کوئی بات زبان سے نکالو، یا قلم سے لکھو، تو یہ سمجھ لو، کہ اس بات کو کسی عدالت میں ثابت کرنا ہے، خواہ وہ دنیا کی عدالت ہو یا آخرت کی۔"

مجاہد رحمہ اللہ سے منقول قسطاس کی تفسیر ذکر کرنے کا مقصد

آگے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ قسطاس رومی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی عربی میں عدل ہیں۔ ”القسطاس“ میں قاف کا کسرہ وضمہ دونوں جائز ہیں۔ اس تعلیق سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد کیا ہے؟ اس میں چنداں اقوال ہیں:

(۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول ہے، کہ عاماتاً ترجمہ میں جب کوئی غریب لفظ آتا ہے، تو اس کی تشریح کرتے ہیں۔ کبھی اس کے لیے مفسرین کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔ یہاں چوں کہ آیتِ قرآنی میں ”القسط“ غریب لفظ تھا، تو اس کی تشریح کے لیے قسط کے مادہ پر مشتمل لفظ ”القسطاس“ کی تفسیر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کردی۔

یا کہیے، کہ یہاں لفظ ”القسط“ آیا تھا، اس کی مناسبت سے آیت کریمہ ﴿وزنوا بالقسطاس المستقیم﴾. (بنی اسرائیل: ۳۵، الشعراء: ۱۸۲) میں وارد لفظ ”القسطاس“ کی تفسیر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ذکر کردی۔

(۲) اس تفسیر سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے، کہ قیامت کے دن اعمال کے وزن کرنے کا مقصد اظہارِ عدل ہوگا۔

(۳) امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے، کہ انھوں نے نصوص میں وارد ”موازین“ و ”میزان“ کے الفاظ کو قیامت کے دن قائم ہونے والی میزان حقیقی اور آلۂ وزن کے معنی میں نہ لیتے ہوئے عدل کے معنی پر محمول کیا ہے۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کا قول لاکر تاویل کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، کہ ان کا مقصد یہ ہے، کہ یہ وزن اظہارِ عدل کے لیے ہوگا، نہ یہ کہ وہ میزان ووزن کا انکار کرتے ہیں۔

یہ غرضِ تعلیق جیسی کچھ ہے، ظاہر ہے۔ اگر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے میزان ووزن کا واقعی انکار کیا ہے، تو اس میں ان کا اتباع نہیں کیا جائے گا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ ”میزان میں تاویل ظاہر نصوص کے خلاف ہے، ایسی تاویل جو بلاضرورت ہو، اور روایات کے مصادِم ہو، مقبول نہیں، گو کیسا ہی بڑا شخص کہے۔“

قرآن مجید میں عجمی کلمات

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے معلوم ہوا، کہ قرآن مجید میں عجمی کلمات بھی واقع ہوئے

ہیں۔ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے: (۱) مفسرین متقدمین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد رحمہما اللہ وغیرہ کی تفسیرات سے معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن مجید میں عجمی الفاظ واقع ہوئے ہیں۔ تابعی جلیل حضرت ابومَیْسَرَۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فِی القرآن مِن کلّ لسانٍ. ''قرآن مجید میں تمام زبانوں کے الفاظ ہیں۔'' علامہ سُیُوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وھو اختیاریُ. ''یہ قول میرا مختار ہے۔''

علامہ سُیُوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں ''المُھذّب فیما وقع فی القرآن مِن المعرَّب'' نامی ایک کتاب لکھی ہے، جس کی تلخیص ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں ہے۔ قاضی تاج الدین ابن السبکی رحمہ اللہ نے ایسے ستائیس (۲۷) عجمی الفاظ اشعار میں بیان کیے ہیں، جو قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ حافظ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر چوبیس (۲۴) الفاظ کا اضافہ فرمایا ہے۔ کل اکاون (۵۱) الفاظ ہوئے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر انہتّر (۶۹) الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ ان کا مجموعہ ایک سوبیس (۱۲۰) ہوا۔

(۲) امام شافعی، ابن جریر طبری، ابوعبیدہ معمر بن المُثنّٰی، قاضی ابوبکر بن الطیّب باقلاّنی، ابن فارس رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں، کہ قرآن مجید میں عجمی کلمات نہیں ہیں، کیوں کہ قرآن مجید نے بار بار اپنی عربیت کا اعلان کیا ہے، چناں چہ چھ سورتوں میں ''قرآناً عربیا'' وارد ہوا ہے، اور تین سورتوں میں ''لسان عربی'' کی تصریح ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولو جعلنٰہ قرآنا اعجمیا لقالوا لولا فصلت آیتہء اعجمی وعربی﴾. (حم السجدۃ: ٤٤) ''اور اگر ہم اس کو (کلاً یا بعضًا) عجمی قرآن بناتے، تو یوں کہتے، کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں؟ یہ کیا بات ہے، اس کا کچھ حصہ عجمی اور کچھ عربی؟''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ''الرسالۃ'' میں فرماتے ہیں: لا یُحیط باللّغۃِ الاّ نبیٌّ. عربی زبان اس قدر وسیع ہے، کہ نبی ﷺ کے علاوہ کوئی اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ جب آپ کے علاوہ کوئی عربی کی اس وسعت سے واقف نہیں، تو اسی ناواقفیت کی وجہ سے لوگ کہہ دیتے ہیں، کہ یہ الفاظ رومی، عبرانی، سُریانی، فارسی، حبشی، نَبطی وغیرہ ہیں، ورنہ فی الحقیقت وہ عربی زبان ہی کے الفاظ ہوتے ہیں۔

ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے قرآن مجید کے الفاظ کی تفسیر میں فارسی، حبشی وغیرہ کی تصریح منقول ہے، وہ توارُدِلغات کے قبیل سے ہے۔ ایک لفظ کو عربوں نے استعمال کیا، اسی لفظ کو فارس والوں نے بھی استعمال کیا۔ ایک لفظ

کوحبشیوں نے استعمال کیا، اسی لفظ کو عربوں نے بھی استعمال کیا۔ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو بعید قرار دیا ہے۔

فریق اول کہتا ہے، کہ بے شک قرآن مجید نے اپنی عربیت کا بار بار اعلان کیا ہے، لیکن اس کے معنی یہ ہیں، کہ وہ عربی الأسلوب والنظم ہے، یعنی اُسلوب اور ترتیب عربی ہے۔اور اگر تسلیم کرلیں، کہ الفاظ وکلمات کے اعتبار سے عربی ہونا بیان کیا گیا ہے، تو یہ اعمّ واَغلب کے اعتبار سے عربی ہے، لہٰذا تھوڑے غیر عربی کلمات کا اس میں آجانا اس کو عربی ہونے سے خارج نہیں کرتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے کوئی انگلش پویم (Poem) یا فارسی قصیدہ ہو، اس میں کوئی لفظ عربی کا آجائے، اس کے باوجود وہ پویم یا قصیدہ انگلش یا فارسی کہلائے گا۔اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے، کہ ﴿ءاعجمی وعربی﴾ (حم السجدة: ٤٤) کے معنی سیاق کلام سے یہ ہوں گے: أکلام اعجمی مخاطبٌ عربیٌّ. کیا بات ہے، کہ عجمی کتاب اور مخاطب عربی!

ابوعبیدہ القاسم بن سلّام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ میرے نزدیک صواب ودرست وہ مذہب ہے، جس میں دونوں اقوال کی تصدیق ہے، کہ ان الفاظ کی اصل عجمی ہے، جب یہ الفاظ عربوں کے سامنے آئے، تو ان کو عربی بنادیا، عجم کے الفاظ سے عربی الفاظ کی طرف بدل دیا، بعض میں کچھ حروف کم کیے، عُجمہ کے ثقل میں تخفیف کی، پھر جس طرح عربی کلمات کی تعریف وتنکیر وغیرہ ہوتی ہے، اسی طرح یہ احکام ان عجمی کلمات میں جاری کیے، اب وہ عربی ہوگئے۔ جیسے پیل سے فِیل۔ کپور سے کافور۔ جب قرآن مجید کا نزول ہوا، اس وقت یہ کلمات کلامِ عرب میں مختلط ہوچکے تھے۔اس اعتبار سے جس نے کہا، کہ یہ عربی ہیں، اس کی بات بھی صحیح ہے، اس نے موجودہ صورت پر نظر کی ہے۔اور جس نے کہا، کہ عجمی ہیں، اس کی بات بھی صحیح ہے، اس نے ان کلمات کی اصل پر نظر کی ہے۔ جوالیقی اور ابن الجوزی رحمہما اللہ وغیرہ کا میلان اسی قول کی طرف ہے۔

لفظ ''القسط'' کی لغوی وصرفی تحقیق

آگے فرماتے ہیں: ویقال: القِسطُ مَصدرُ المُقسِطِ. اور کہا جاتا ہے کہ ''القسط'' یہ ''المقسط'' کا مصدر ہے۔''

یہ ابوعبیدہ مَعمر بن المُثنّٰی کا قول ہے، جو انھوں نے ''مَجازُ القرآن'' میں ذکر کیا ہے۔امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے، کہ ''مُقسِط'' کا مصدر ''قِسط'' کو قرار دیا،

حالاں کہ "مُقسِط" کا مصدرتو "اِقسَاط" ہے۔اس کے چند جوابات ہیں: (۱) حروفِ اصلیہ میں تناسب اورترکیب الفاظ میں مُشارَکت کے اعتبار سے جیسے بعض مرتبہ ایک کلمہ کا اشتقاق غیر مصدر سے بیان کیا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے، کہ اِستَنوَقَ (اونٹنی کے مشابہ ہوا) نَاقَةٌ سے اور اِستَحجَرَ (پتھر کے مانند ہوا) حَجَرَ سے مشتق ہے، اسی طرح بعض مرتبہ اس تناسب و مشارکت کے اعتبار سے مجرّد کے مصدر کو مزید فیہ کے اسم فاعل یا اسم مفعول کا مصدر کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں یہی صورت اختیار کی گئی ہے۔

(۲) ابوالقاسم علی بن جعفر بن القَطَّاع نے ذکر کیا ہے، کہ "قِسط" اضداد میں سے ہے۔ یہ لفظ عدل اور ظلم دونوں معنی میں مشترک ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو اختیار کرنے کی صورت میں ابوعبیدہ کے کلام سے یہ بتانا چاہتے ہیں، کہ یہاں عدل کے معنی مراد ہیں، لیکن ﴿ونضع الموازين القسط﴾ میں واقع یہ "القسط" مصدر اسمِ فاعل کے معنی میں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتانے کے لیے کہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے، "القِسطُ مصدرُ القاسِطِ" نہیں کہا، کیوں کہ جیسے "قسط" عدل وظلم کے معنی میں مشترک ہے، اسی طرح "قاسط" بھی عادل اور ظالم کے معنی میں مشترک ہے، لہٰذا اس آیت میں وارد "القسط" میں عدل کے معنی مراد ہونے پر کوئی دلالت نہ ہوتی۔ چوں کہ "مقسط" قول مشہور پر عادل ہی کے معنی میں آتا ہے، اس لیے "القسطُ مصدرُ المقسط" کہا، تاکہ عدل کے معنی پر بھی دلالت ہوجائے، اور اس پر بھی تنبیہ ہوجائے، کہ یہاں "القسط" مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ اس اعتبار سے "القسط مصدر المقسط" کے معنی ہوئے: القسطُ مصدرٌ فی معنی المقسط.

(۳) علامہ ابن بَطّال، علامہ کرمانی وغیرہ شرّاح رحمہم اللہ فرماتے ہیں، کہ "قسط" "مُقسط" کا مصدر ہونے کا مطلب یہ ہے، کہ مصدر بحذف الزوائد ہے۔ عرب بعض مرتبہ مصدر کے زوائد کو حذف کردیتے ہیں، تاکہ اس کی اصل کی طرف لوٹائیں، اور وہ کلام اپنی اصل پر دلالت کرے۔ "مقسط" کے مصدر "اِقُساط" میں جو زوائد تھے، ان کو حذف کردیا، تو "قِسط" رہ گیا، یہ "اِقُساط" کی اصل ہے۔ گویا یہ "مقسط" کے مصدر کا مصدر ہے۔ "مقسط" کا مصدر "اِقُساط" ہے۔ اور "اِقُساط" کا مصدر "قِسط" ہے۔

(۴) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ﴿ونضع الموازين القسط﴾ میں وارد "القسط" کی مناسبت سے ابوعبیدہ کا کلام لاکر یہ بتانا چاہتے ہیں، کہ "المقسط" کس طرح "العادل" کے معنی

میں ہے؟ اور "القاسط" کس طرح "الجائر" کے معنی میں ہے؟ اور اسی سے "القسط" کی حقیقت بھی واضح ہوجائے گی۔

"مقسط" کے عادل کے معنی میں اور "قاسط" کے جائر وظالم کے معنی میں ہونے کی وضاحت میں تین طرح تقریر کی گئی ہے:

(۱) ابوعلی فارسی اور امام راغب اصبہانی فرماتے ہیں، کہ "قسط" کے معنی نصیب اور حصہ کے ہیں۔ قَسَطَ اس وقت بولا جاتا ہے، جب دوسرے کے حصے کو لے لے۔ اور دوسرے کے حصے کو لے لینا ظلم ہے۔ "قاسط" اسی سے ماخوذ ہے، اس لیے اس کے معنی جائز وظالم کے ہیں۔ اور "اَقْسَطَ" اس وقت بولا جاتا ہے، جب غیر کو اس کا حصہ دے دے۔ اور غیر کو اس کا حصہ دے دینا عدل ہے۔ "مُقْسِط" اسی سے ماخوذ ہے، اس لیے اس کے معنی عادل کے ہیں۔

(۲) "مُقْسِط" کا مصدر "اِقساط" ہے۔ یہ اِقساط "قَسَطَ" بفتح القاف بمعنی ظلم وجور سے ماخوذ ہے۔ اسی قَسْط بفتح القاف سے "قاسِط" بمعنی ظالم وجائر بنا ہے۔ قَسْط بفتح القاف کو بابِ اِفعال میں لے گئے، تو اَقْسَط ہوا۔ بابِ افعال کا ایک خاصّہ سلبِ مأ خذ کا ہے، تو اَقْسَط کے معنی ہوئے: وہ مسلوب الجور رہوا۔ جب جو رو ظلم کا سلب ہوگیا، اس کی نفی ہوگئی، تو اس کی ضد یعنی عدل کے معنی آ گئے، اس اعتبار سے اَقْسَط کے معنی ہوئے: اس نے انصاف کیا، لہٰذا "المقسط" کے معنی عادل کے ہوئے۔

(۳) محدث العصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہم فرماتے ہیں، کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعبیدہ کا کلام لاکر یہ اشارہ کیا، کہ "اِقْساط" یہ "قِسْط" بکسر القاف سے ماخوذ ہے، قِسْط کے معنی عدل کے ہیں، تو اِقْساط کے معنی ہوں گے: صَیْرُوْرَۃُ الرّجلِ صاحبَ قِسْطٍ اَیْ عدلٍ. "آدمی کا عدل والا ہونا" اور کسی کا عدل والا ہونا یہ ہے، کہ وہ عدل کرے۔ امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَقْسَط: کأنه لَزِم القِسط وهو العدل. یعنی اَقْسَط کے معنی لَزِم القِسط ای العدل ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں، کہ اس کا حاصل بھی وہی ہے، جو میں نے بیان کیا ہے، لیکن بابِ اِفعال کے تیرہ خواص میں لزوم کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، غالبًا انھوں نے صیرورۃ کو لزوم سے تعبیر کردیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہم فرماتے ہیں، کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذہن اس نکتہ کی طرف نہیں گیا، اور وہ یہ سمجھے، کہ اسماعیلی کا مطلب یہ ہے، کہ ہمزہ سلب ماخذ کے لیے

ہے۔فرماتے ہیں: وقوله: كأنّه لَزِم القِسط يُشير الى أن الهمزة فيه للسلب. لیکن یہاں یہ خیال درست نہیں، اس لیے کہ اسماعیلی تو اَقسَط کو قِسط بکسر القاف بمعنی عدل سے مشتق مان کر كأنه لزم القسط فرمارہے ہیں۔اب اگر اِقساط کا ہمزہ سلب کا تسلیم کرلیا جائے،تو یہ معنی ہوں گے، کہ قِسُط یعنی عدل سلب ہوگیا، اورسلب عدل یہ ظلم ہے۔اس سے معلوم ہوا، کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام اسماعیلی کے کلام کی جو تشریح فرمائی، وہ وہم ہے۔

نصوص میں "مُقْسط" اور "قاسط" کا استعمال

وهو العادل: واما القاسط: فهو الجائر. "المُقسِط" عادل کے معنی میں ہے۔رہا "القاسط" ،تو وہ جائر یعنی ظالم کے معنی میں ہے۔

سابقہ کلام سے اس عبارت کی وضاحت بھی ہوچکی، کہ "مُقسِط" کے معنی عادل کے ہیں، اور "قَاسِط" جائر وظالم کے معنی میں ہے۔

امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے "مُقسِط" کے عادل کے معنی میں اور "قاسط" کے جائر وظالم کے معنی میں ہونے پر نصوص سے استشہاد کیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿واما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا﴾. (الجن:١٥) "جو ظالم ہیں، وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔" اوررسول اللہ ﷺ کا ارشاد: المُقسِطون علیٰ منابرَ مِن نور. اخرجه مسلم فی صحيحه. "انصاف کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے۔"

حافظ ابن حجر عقسلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ "مُقسط" بمعنی عادل کے لیے اسماعیلی دوسری آیت بطور استشہاد پیش کرسکتے تھے، وہ آیت یہ ہے: ﴿ان الله يحب المقسطين﴾. (المائدة:٤٢، الحجرات:٩) "صحيح بخاری" وغیرہ میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں بھی "مُقسط" بمعنی عادل استعمال ہوا ہے: يَنزِلُ حَكَمًا مُقسِطاً. "حضرت عیسیٰ علیہ السلام منصف حاکم بن کر نزول فرمائیں گے۔" اسماءِ حسنیٰ میں بھی "المُقسط" بمعنی عادل وارد ہوا ہے۔

حَجّاج بن یوسف کا واقعہ

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ "قاسط" کی مناسبت سے "اِرشادُ السَّاری" میں فرماتے

ہیں، کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے جب حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ کو بلوایا، اور پوچھا: ما تقول فِیّ؟ ''میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' تو حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قاسِطٌ عادِلٌ. ''قاسِط'' کو عادل اور ظالم کے معنی میں مشترک ماننے کی تقدیر پر ''قاسِط'' کے بعد ''عادِل'' کا لفظ ذکر کرنے سے گویا متعین ہو رہا تھا، کہ یہاں پر ''قاسط'' کو ''عادِل'' کے معنی میں استعمال کیا ہے، اس لیے ان کے اس جواب نے حاضرین کو تعجب میں ڈال دیا۔ وہ سمجھے کہ آپ نے حجاج کی تعریف کی، اس کو عادل ومنصف کہا، لیکن حجاج زبان وادب کا بڑا ماہر تھا، قرآن مجید بھی اس کو خوب یاد تھا، الفاظِ قرآنیہ کے مواقع استعمال پر بھی گہری نظر تھی۔ جب لوگوں نے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کی پسندیدگی کا اظہار کیا، تو حجاج نے لوگوں سے کہا: وَیلکم، لَم تَفُهموا، جَعَلَنِی جائِرًا کافِرًا، أَلَمْ تَسْمَعُوا قَوْلَهٗ تَعالٰی: ﴿واما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا﴾ . (الجن:١٥) وقولُهٗ تعالٰی: ﴿ثم الذين كفروا بربهم يعدلون﴾. (الأنعام:١) ''تمہارا بھلا ہو، تم نہیں سمجھے، انھوں نے تو مجھے ظالم اور کافر ٹھہرایا، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿واما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا﴾. اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿ثم الذين كفروا بربهم يعدلون﴾. (پھر کفار اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے ہیں) نہیں سنا۔'' گویا ''قاسِط'' کہہ کر پہلی آیت کریمہ کی طرف اشارہ کیا، جس میں قاسط کا لفظ عادل ومصنف کے معنی میں نہیں؛ بلکہ جائر وظالم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور لفظ ''عادل'' کہہ کر دوسری آیت کریمہ کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں عدل مساوی ٹھہرانے اور شریک قرار دینے کے معنی میں آیا ہے، جو کفار کی صفت ہے۔

وَبِهٖ قال حدثنا احمدُ بن اِشکاب قال حدثنا محمدُ بنُ فُضَیلٍ عَنْ عُمَارَةَ بنِ القَعقاعِ عن أبی زُرْعَةَ عن أبی هُریرةَ رضی اللّٰه عنه وعنهم وعَنَّابِهِم أَنَّهٗ قال: قال النَّبِیُّ ﷺ: كَلِمَتَان حَبِيْبَتَان اِلیٰ الرحمنِ، خَفِيُفَتَان علیٰ اللِّسَان، ثَقِيْلَتَانِ فِی الْمِيُزَان: سُبُحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمُدِهٖ، سُبُحَانَ اللّٰهِ الُعَظِيُمِ.

احمد بن اِشکاب

''اِشکاب'' یہ راویٔ حدیث احمد کے والد کا لقب ہے۔ والد کا نام علیٰ اختلاف الاقوال مُجَمِّع یا مَعْمَر یا عُبید اللہ ہے۔ ''اِشکاب'' بکسرِ الہمزۃ ہے، جیسا کہ ''فتح الباری'' اور ''التقریب'' وغیرہ

میں ہے۔علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الکواکب“ میں، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”ارشاد الساری“ میں اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”منحۃ الباری“ میں ہمزہ کا فتح بھی نقل کیا ہے۔”اِشکاب“ کو عجمی علم ماننے کی تقدیر پر عُجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف پڑھا گیا ہے۔دوسرا قول یہ ہے، کہ یہ عجمی نہیں؛ بلکہ عربی ہے،اس قول پر یہ منصرف ہے۔

رُواۃِ حدیث میں علی بن اِشکاب اور محمد بن اِشکاب بھی ہیں، چناں چہ محمد بن اشکاب کی ”صحیح بخاری“ میں چار روایتیں آئی ہیں،اور علی بن اشکاب ”سننِ ابی داود“ اور ”سُننِ ابن ماجہ“ کے راوی ہیں۔رُواۃ صحیح بخاری میں ایک راوی علی بن ابراہیم ہیں، ابواحمد بن عدی وغیرہ کے قول پر یہ علی بن حسین بن ابراہیم ہیں، جدّ کی طرف نسبت کرتے ہوئے علی بن ابراہیم کہہ دیا گیا ہے، اس تقدیر پر تو علی بن اشکاب بھی ”صحیح بخاری“ کے راوی ہوں گے۔علی بن اِشکاب اور محمد بن اشکاب دونوں بھائی ہیں، علی بڑے ہیں، اور محمد چھوٹے ہیں۔ان دونوں کے ساتھ ”صحیح بخاری“ کی اس آخری حدیث کے راوی احمد بن اشکاب کی کوئی قرابت نہیں ہے۔احمد بن اشکاب، حضرمی ہیں، کوفی ہیں، جب کہ علی بن اشکاب اور محمد بن اشکاب، حارثی ہیں، بغدادی ہیں۔

محمد بن فضیل

محمد بن فُضَیل بن غزوَان پر تَشَیُّع کا اتہام ہے۔سوال یہ ہے، کہ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے مُبتَدِع راوی کی روایت اپنی صحیح میں کیوں درج فرمائی؟

درحقیقت مُبتدع یعنی بدعقیدہ راوی کی روایت کو قبول کرنے یا رد کرنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے، کہ اگر اس کی بدعت کفر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے علم بالجزئیات کا انکار، یا بعض غالی روافض کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں الٰہیت کے حلول کا دعویٰ وغیرہ۔تو اس سے روایت جائز نہیں، اور اس کی روایت غیر معتبر اور مردود ہے، چناں چہ ایسے کسی مبتدع راوی کی روایت صحیح بخاری میں قطعاً نہیں ہے۔

اور اگر اس کی بدعت کفر کے درجہ تک نہیں پہنچی ہے؛ بلکہ فسق کے درجہ کی ہے، تو ایسے مبتدع کی روایت کا مسئلہ مختلف فیہا ہے:

(۱) امام مالک، ابن سیرین، ایوب سختیانی رحمہم اللہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے، کہ اس کی روایت

مطلقاً غیر معتبر اور مردود ہے۔

(۲) "ھدی الساری" میں ایک مذہب یہ نقل کیا ہے، کہ اسکی روایت مطلقاً مقبول و معتبر ہے۔

(۳) تیسرا مذہب داعی وغیرہ داعی کی تفصیل کا ہے، کہ مبتدع اگر غیر داعی ہو: اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت نہ دیتا ہو، تو اس کی روایت معتبر ہوگی۔ اور اگر داعی ہو: اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو بلاتا ہو، تو اس کی روایت غیر معتبر ہوگی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مذہب کو "اَعْدل" قرار دیا ہے۔ ابن حبّان اور حاکم رحمہما اللہ نے اس پر اہل نقل کا اجماع نقل کیا ہے، لیکن ان کے دعوائے اجماع میں کلام کیا گیا ہے۔

تیسرے مذہب کے قائلین صرف اس اصول پر اکتفاء کرنے یا کسی قید کے اضافہ کرنے میں اختلاف کرتے ہیں، چناں چہ:

(۱) امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہم اللہ اور جُمہور محدثین اس اصول پر اکتفاء کرتے ہیں، کہ غیر داعی کی روایت مقبول اور داعی کی غیر مقبول ہوگی۔

(۲) سفیان ثوری، امام شافعی اور قاضی ابو یوسف رحمہم اللہ فرماتے ہیں، کہ مبتدع اپنے مذہب کی تائید میں جھوٹ بلونے کو جائز نہ سمجھتا ہو، اس کی روایت تو معتبر ہے، لیکن اگر اپنے مذہب کی تائید میں جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتا ہو، تو اس کی روایت غیر معتبر ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ، علی بن المدینی، ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ وغیرہ علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے، کہ اگر مبتدع عادِل وضابط ہے، کسی فسق عملی میں مبتلا نہیں ہے، اس کا فسق تاویلی اور اعتقادی ہے، تو اس کی روایت معتبر ہوگی۔

(۴) بعض کہتے ہیں، کہ اگر مبتدع بدعت صغریٰ میں مبتلا ہے، تو اس کی روایت معتبر ہے، اور اگر بدعتِ کبریٰ میں مبتلا ہے، جیسے حضراتِ شیخین: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تضلیل یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے والا ہو، تو اس کی روایت غیر معتبر ہے۔

(۵) مبتدع غیر داعی کی وہ روایت جس سے اس کی بدعت کی تائید ہوتی ہو، غیر معتبر ہے۔ اور جس سے اس کی بدعت کی تائید نہ ہو، وہ معتبر ہے۔ یہ ابواسحٰق جرجانی کا مذہب ہے۔

بعض کہتے ہیں، کہ اسی طرح داعی کی وہ روایت جس سے اس کی بدعت کی تردید ہوتی ہو، معتبر ہے۔ اور جس روایت سے اس کی بدعت کی تردید نہ ہوتی ہو، غیر معتبر ہے۔

ابوالفتح قُشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ مبتدع چاہے داعی ہو چاہے غیر داعی، اس کی

روایت کا اگر اس کی بدعت سے تعلق نہ ہو، اور کسی غیر مبتدع کی روایت اس کی روایت کے موافق ہو، تو مبتدع کی روایت کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر غیر مبتدع کی روایت اس کے موافق نہ ہو، وہ روایت صرف مبتدع کے پاس ہو، اور وہ مبتدع صدق سے متصف ہو، کذب سے احتراز کرتا ہو، تو اس کی روایت کا اعتبار کرنا چاہیے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح'' میں ایسے مبتدع کی روایات لی ہیں، جو داعی نہ ہوگا۔ اور اگر داعی ہو، تو اس سے توبہ کر چکا ہوگا، یا اس کی روایت کی تائید کسی متابع سے ہوئی ہوگی۔ اسی لیے شیخ ابوالحسن مقدسی رحمۃ اللہ علیہ جس راوی کی روایت "صحیح بخاری" میں آ گئی، اس کے متعلق فرماتے تھے، کہ هذا جَازَ القنطرة. ''یہ پُل پار کر گیا۔'' مطلب یہ ہے، کہ اس کے متعلق اگر کوئی کلام ہو، تو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، خصوصاً جس کی روایت بطور اصل آئی ہو، مُتابِعات، شواہد اور تعلیقات میں کچھ تفصیل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا محمد بن فضیل جیسے راوی کی روایت کا ''صحیح بخاری'' میں آنا اس کی صحت کے لیے قادِح نہیں ہے۔

''فتح الباری'' میں ہے، کہ کوفہ کے اہل سنت کی ایک جماعت کا مذہب یہ تھا، کہ فضیلت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مقدم ہیں۔ اس نظریہ کے حامل شخص کو ''عَلوی'' کہا جاتا تھا۔ بعض حضرات نے بطور احتمال ذکر کیا ہے، کہ ہوسکتا ہے، محمد ابن فضیل بھی عَلوی ہوں: فضیلت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم سمجھتے ہوں۔ اس صورت میں محمد ابن فضیل کی روایت کا ''صحیح بخاری'' میں آنا اس کی صحت کے لیے بدرجۂ اولیٰ قادِح نہ ہوگا۔

یہاں یہ ملحوظ رہے، کہ ''شیعیت'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور ان کو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھنے کا نام ہے، لیکن جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین: ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر مسئلۂ خلافت میں ترجیح دیتا ہو، تو وہ شیعیت میں غلو کرنے والا ہے، اور اس کو ''رافضی'' کہا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خلافت کے مسئلہ میں راجح سمجھتا ہو، تو وہ ''شیعی'' ہے۔ مسئلہ خلافت میں اگر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم کے ساتھ سَبّ و شتم کرتا ہو، یا بغض و نفرت کا اظہار کرتا ہو، تو وہ رافضیت میں غلو کرنے والا ہے۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں آنے کا اعتقاد رکھتا ہو، تو بقول حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ "اَشَدُّ فِی الغُلو" یعنی رافضیت میں غلو سے بھی آگے کی چیز ہے۔ (باقی آئندہ)

احیاء دین کی اسلامی تحریکیں اور ہندوستان

از: سہیل اختر قاسمی

ہندوستان ایک قدیم اور دیو مالائی ملک ہے، یہاں کی تہذیب وثقافت، معاشرت، رہن سہن، اور زندگی میں توہم، عقیدت پرستی اور لغو عناصر، زیادہ اثر انداز ہیں، اسلام کی باریابی کے باوجود اس ملک کے مزاج کہنہ میں زیادہ تبدیلی نہیں آئی، عرب سے آنے والے مجاہدین بغرض اشاعت دین اس ملک میں قیام پذیر ہوئے اور دعوتی مہم سر کیا، ہزاروں ہندوستانی باشندگان مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے صاف ستھرے عقیدہ، تہذیب اور ثقافت کو تسلیم کیا، مگر مزاج کہنہ، نے دوبارہ یاری کرلی، اسلام کی برقراری اور اس کے وجود کے باوجود غیر اسلامی بدعات نے طرح پائی، شرک وتوہم پرستی نے جگہ بنائی، فطری مزاج کی بناء پر تزکیہ وتصوف میں پنڈتانہ اثرات در آئے اور اس طرح ہنگامہ بپا ہوا کہ صحیح اسلامی تہذیب وعقائد کے حاملین کی تعداد مٹھی بھر رہ گئی اکبر کا فسق وکفر اس ماحول کا نتیجہ تھا، بادشاہان ہند کی بدعاتی دھما چوکڑی اسی مخدوش نظام فکر کا شاخسانہ تھا، تا آنکہ اسلامی نظام کے نام پر مخدوش نظام ایک طویل زمانے تک چلتا رہا۔

صحیح فکر علماء وصلحاء ان غیر یقینی حالات سے بہت افسردہ تھے اس کے سدباب کی کوشش کرتے تھے، مگر ہماہمی اور افراتفری نے ان کے بازوؤں کو روک رکھا تھا، مجدد الف ثانیؒ، ذرا بے باک اور جری ہوئے اور مسلمانوں کا سخت ترین محاکمہ کیا، لیکن یہ محاکمہ تو اس ماحول سے تھا جس میں کفر رچ بس چکا تھا، محاکمہ کا اتنا فائدہ ہوا کہ عوام کفر کے ماحول سے فسق وبدعت کے ماحول کی طرف لوٹ آئے، یہ محاکمہ ہندوستان کی سب سے پہلی اسلامی تحریک سے جانی جاسکتی ہے، بعد ازاں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ان غیر یقینی اور مسموم فضاء کے سدباب کے لئے اپنی تبلیغی مساعی کو تیز تر کیا۔

یہ مساعی افادیت سے خالی نہیں رہے؛ بلکہ ثقافت اسلامی اور علوم نبویہ کی حفاظت کا ضامن بن

گئیں، محدث دہلوی کی یہ حرکیت، ہندوستان میں اسلامی تحریک کے معاون یا شریک کے طور پر تھی۔

دراصل اس کے باوجود ہندوستان میں اسلامی فضاء کی ہمواری اور تشکیل نہ ہوسکی، پورے طور پر بدعات کا قلع قمع نہ ہوسکا، تصوف وسلوک کے دیو مالائی مراقبات، بدعات وخرافات، تعزیہ داری کے رسوم اور بیوہ عورتوں سے نکاح نہ کرنے کی مذموم ہندوانہ بدعات جڑ سے اکھاڑے نہ جاسکے، جہاد اسلامی کے خفتہ جذبات بیدار نہ کئے جاسکے، تبلیغ ودعوت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے منصفانہ حقوق کی ادائیگی نہ ہوسکی، اور یونہی ہندوستانی مسلمان، بدعات وخرافات اور جہاد بیزاری کے گنہگار احساسات میں جیتے رہے۔

اسی دوران اودھ کے حسنی سادات میں سید احمد شہیدؒ پیدا ہوئے اور اپنی انقلابی فکر سے اسلامی تحریک کی داغ بیل ڈالی تا آنکہ اس اسلامی تحریک نے ہندوستان کو ایک صحیح مسلم معاشرہ فراہم کیا اور ایک بڑی تعداد میں اسلامی عقائد سے لوگوں کو مشرف کیا، یہ تحریک اپنے خدمات، کارناموں اور سرگرمیوں کی بنا پر ہندوستان میں سب سے پہلی اسلامی تحریک کہے جانے کے زیادہ مستحق ہے۔

یہ تحریک خالص کتاب وسنت، دعوت وتبلیغ اور جہاد ومجاہدہ کی تحریک تھی، اس کا مقصد بدعات وخرافات کا قلع قمع تھا، اس کا ہدف دین محمدی میں عہد فاروقی کی پاکیزگی اور شوکت پیدا کرنا تھا، توحید خالص کی تبلیغ، مراسم تعزیہ کی بیخ کنی، بدعات اور غیر اسلامی مروجات کا استیصال ان کے مشن کا لازم حصہ تھا، خصوصاً جہاد اور غیر اسلامی طاقتوں سے محاذ آرائی ان کا لازمی ہدف تھا، مشہد بالاکوٹ کی شہیدانہ سرخیوں سے آج بھی اس تحریک کی مقصدیت سے آگاہی لی جاسکتی ہے تعزیہ شکنی کے عملی کارناموں سے یہ جانا جاسکتا ہے کہ وہ تحریک ایک عملی تحریک تھی، سکھ فسادیوں سے جنگ یہ بتاتی ہے کہ وہ اسلامی تحریک تھی، اصحاب تحریک کی عزیمت یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ جری تحریک بھی تھی اور ہندوستان میں موجودہ مسلم معاشرہ بزبان حال یہ بتاتا ہے کہ وہ اصلاحی تحریک بھی تھی۔

سید احمد شہیدؒ کی اس تحریک کا ایک اہم عنصر جہاد فی سبیل اللہ تھا ''الجہاد ماض'' کے نقش رفتگاں کو نقش حال بنانے کی غرض ان قوتوں کو شکست ورسوائی دینا تھی، جو اسلامی معالم کو نشانہ بناتی ہے، مسلم آبرو سے کھلواڑ کرتی ہے، اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتی ہے اور مسلم قوم پر مظالم کے پہاڑ توڑتی ہے، دراصل یہ جہاد ہر اس قوت کے خلاف تھا، جس میں مسلم دشمنی انگڑائیاں لیتی تھیں۔

چونکہ اس دور میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز تھا بایں بنا، اس تحریک کا سب سے پہلا نشانہ بھی انگریز ہی تھا یہ الگ بات ہے کہ سکھوں نے بھی اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرکے، مسلم دشمنوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوادیا تھا، ہر اسلام دشمن، اس تحریک کا دشمن تھا، دشمن تو دشمن ہوتا ہے پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ انگریز ہو یا سکھ۔

اس تحریک نے سب سے پہلے سکھوں کے خلاف محاذ آرائی کی، اور اس سے جنگ کیا، تا آنکہ بالاکوٹ کی ولولہ انگیز داستان شہادت معرض وجود میں آئی، سید احمد شہید ہوگئے مگر ان کی تحریک جاری رہی، بدعات کے خلاف، مشرکانہ رسوم کے خلاف اور اسلام دشمنی کے خلاف۔

ہندوستان کی یہ سب سے پہلی اسلامی تحریک اول دن سے کامیاب رہی، مجاہدین اور اصحاب باصفا کی کوششوں اور فداکاریوں سے اسلامی ہند کی حالت میں تبدیلی آئی، بیوگان سے نکاح کی مذمت کا ہندوانہ رسم ختم ہوا، علمی خاندانوں، اور علماء دین کے گھروں میں ہی نہیں بلکہ عوام کے طریقۂ بود و باش میں بھی اسلامی تہذیب زندہ ہوئی۔

''آداب عرض'' کے بجائے ''السلام علیکم'' کا رواج برپا ہوا، نوابی عیاشیوں کو اسلامیانے کی روایت متروک ہوئی، انگریزوں سے لوہا لینے کی فضاء اور ہمت سازگار ہوئی، جہاد فراموشی کے جراثیم ختم ہوئے، اسلام پسندی کے احساسات جنم لینے لگے، صحیح مسلم قومیت بیدار ہونے لگی اور ہر وہ کچھ ہونے لگا جس سے جہاں مسلمانوں کے اچھے مستقبل کی امید بندھی وہیں اسلام کے بول بالا کے توقعات بھی جنم لئے الغرض اس تحریک کے، جوکہ سید احمد شہید کے انقلابی حرکیات کی اوج ہے ہندوستان کے مسلم معاشرے پر کافی بہترین اثرات مرتب ہوئے۔

یہ الگ بات ہے کہ اس تحریک کے جنگی مشن کو فتوحات کی کامیابی نہیں ملی، انگریزوں کو ہندبدر کرنے کا خواب پورا نہ ہوا اور سکھ مخالف جنگ فتح سے ہم کنار نہ ہوئی، ہاں البتہ، مزاحمت ہوتی رہی حوصلہ زندہ رہا، صحیح اسلامی تہذیب پرورش پاتی رہی، نئی نسل میں آزادی کی روح بیدار ہونے لگی، اور ہندوستان کو آزاد کرنے کی مساعی جاری رہے، دراصل اس تحریک کی ظاہری ناکامی میں باطنی کامیابی تھی، معنوی فوز وفلاح تھی، کیونکہ اس ناکامی نے ہی استقلال، مزاحمت اور سعی مسلسل کا درس دیا تھا، اسی محرومی کے احساس سے کچھ پالینے کا سودا سوار ہوا تھا اور اسی سے محبین وطن کی ایک بڑی کھیپ تیار ہوئی۔

علاوہ ازیں دیگر اسلامی تحریکات نے بھی احتیاء دین کا کام انجام دیا ہے بعضے تو ایسے ہیں جو

صرف تاریخ کا حصہ ہیں یعنی اب وہ پارینہ بن چکے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کی سرگرمیوں کا تانا جہاں ماضی سے جڑتا ہے وہیں حال میں بھی اس کے خطوط نظر آتے ہیں۔

جیسے تحریک دیوبند، اس نے جہاں ماضی میں تجدید دین کا کارانجام دیا ہے وہیں آج بھی اس کار خیر میں مصروف ہے بلکہ ۱۸۶۷ء میں اس ادارہ کی تاسیس تجدید دین کی غرض سے ہی عمل میں آئی تھی، ۱۵۰ سالہ تاریخ اسلام میں جہاں فروغ اسلام کا عنوان آئے گا وہاں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے اسلامی، تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی اثرات پورے طور پر ثبت ملیں گے، اسی نے لاکھوں کی تعداد میں علماء پیدا کیا اور اسی تعداد میں ماہرین شرعیات بھی، آج علماء کا یہ طبقہ جہاں فروغ اسلام کی سعی کررہا ہے وہیں بقاء دین کی جدوجہد بھی۔

اس زاویہ سے زیادہ قابل تعریف مدارس اسلامیہ ہیں، کیونکہ دینی مدارس کے طفیل، احیائے دین کی تحریکات برقرار اور جاری ہیں، اس ضمن میں مدارس کی مسلکاً تفریق لایعنی ہے، ہر جماعت کے نمائندہ ادارے قدرے فرق کے ساتھ احیاء دین کے مبارک اور مسعود کام میں مصروف ہیں، یہ تمام تحریکات اپنے اپنے ظرف کے مطابق احیاء دین کا کام انجام دے رہے ہیں۔

احیاء دین کی یہ کوششیں جہاں انفرادی سطح پر جاری ہے وہیں اجتماعی پلیٹ فارم سے بھی تجدید دین کا مظاہرہ ہورہا ہے، آج کے ہندوستان میں مسلم عوام کے اندر اسلام کی طرف لوٹنے کا جو عمل شروع ہوا ہے۔ اس کا سہرا انہی جماعتوں، جمعیتوں اور تحریکوں کے سر جاتا ہے جنھوں نے ہندوستان میں احیاء دین کی دواری اٹھارکھی ہے۔

احیاء دین اور فروغ دین میں مفہوماً معمولی فرق ہے، احیاء دین عمل اصلاح سے عبارت ہے اور فروغ دین اشاعت اسلام اور دعوت کا مفہوم رکھتا ہے۔ یہ دونوں عمل چونکہ نتیجتاً ایک اور طریقتاً مختلف ہے بایں بناء اس کے کرنے والوں نے الگ الگ محاذ بنارکھا ہے۔ وہ لوگ جو اصلاح معاشرہ میں منہمک اور سرگرداں ہیں وہ احیاء دین کا حصہ ہے اور جو غیر مسلموں میں دعوت وتبلیغ کا کام کررہے ہیں وہ فروغ دین اور اشاعت اسلام کا حصہ ہے۔

بہرکیف ہندوستان، احیاء دین کے حوالے سے کبھی تعطل اور بے راہ روی کا شکار نہیں رہا، ہر زمانے میں یہاں تجدیدی عوامل اور اصلاحی امور انجام دیئے جاتے رہے ہیں فروغ دین اور اشاعت اسلام کا عمل ہمیشہ جاری رہا ہے، بالیقین یہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے موقع افتخار ہے کہ ہر زمانے میں مسلم عوام کی اسلامی رہنمائی کے لئے ایک بڑا طبقہ ہمیشہ موجود رہا ہے۔